خونی محل
اشتیاق احمد
Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

محمود، فاروق، فرزانہ
اور انسپکٹر جمشید سیریز
خونی محل
اشتیاق احمد

نام ناول ـــــ خونی محل

طبع دوم ـــــ یکم جنوری ۱۹۹۴ء

طابع ـــــ اِشتیاق احمد

کتابت ـــــ سعید نامدار

سرورق ـــــ طاہر ایس ملک

قانونی مشیر ـــــ اعجاز احمد ایڈووکیٹ

مطبع ـــــ عظیم علیم پرنٹرز

قیمت ـــــ دس روپے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے، آقائے نامدار حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی خوان پر نہیں کھایا، نہ سکرجہ کے ساتھ ـ حضرت قتادہ نے کہا، پھر کس پر کھاتے تھے؛ حضرت انسؓ نے کہا، دستر خوان پر ـ

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلد سوم

صفحہ نمبر ۵۹، حدیث نمبر ۱۷۷

(یہ دستر خوان چمڑے یا بید یا بوریے کا ہوتا ہے، اس پر کھانا سُنت ہے ـ خوان اور میز یہ سب امرا کے تکلفات ہیں ـ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ان چیزوں کی طرف رغبت نہ تھی اور عاجزی اور فقیری پسند تھی، باوجود اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بادشاہ تھے دونوں جہان کے ـ سکرجہ سے مراد وُہ شربت، سکنجبین، جوارش یا چٹنیاں ہیں جو بھوک بڑھائیں اور کھانا زیادہ کھایا جائے ـ بعضوں نے کہا، سکرجہ ایک قسم کا چھوٹا پیالہ ہے، اس میں کھانا تکبّر یا بخل کی علامت ہے)

السلام علیکم!

اس بار خونی محل لے کر حاضر ہوں۔ عجیب محل کا تحفہ آپ کے لیے عجیب ہی ثابت ہو سکتا ہے، امید ہے محل پا کر آپ خوشی سے پھولے نہیں سمائیں گے اور اگر سما جائیں تو مجھے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں شاید میں کوئی ایسی چیز پیش کر سکوں کہ آپ واقعی پھولے نہ سما سکیں، یوں تو یہ پھولا نہ سمانا بھی عجیب ہے، ایک سے زیادہ عجیب چیزیں ایک جگہ جمع ہو جائیں تو سسپنس کا کیا کہنا، لیکن الجھن یہ ہے کہ زیادہ سسپنس آپ قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، اکثر خطوط میں ذکر ہوتا ہے کہ آگے آنے والے واقعات جلد از جلد جان لینے کی اس قدر شدید خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی باتیں اکتا دیتی ہیں، یہ قصور پھر ان کی باتوں کا تو نہ ہوا، یہ تو سراسر میرا قصور ہوا کہ میں اتنا سسپنس کیوں پیدا کر دیتا ہوں۔ اب کم سسپنس پیدا کروں گا تو آپ ناخوش ہو جائیں گے۔ ہے نا عجیب مصیبت، خیر عجیب مصیبت کو چھوڑیے اور خونی محل کو پڑھیے کہ وقت کا تقاضا یہی ہے۔ عجیب مصیبت پر تو بعد میں بھی بات ہو سکتی ہے۔

تین حملے

ٹھیک تین بج کر چالیس منٹ پر وہ بیگم خان کے محل نما مکان کے دروازے پر پہنچ گئے۔ فاروق نے گھڑی پر نظر ڈال کر پریشان کن نظروں سے دونوں کو دیکھا اور بولا:

"لو بھئی! پورے پانچ منٹ باقی ہیں، اب یہ کیسے گزریں گے۔"

"مجبوری ہے، ہم پورے پونے چار بجے ہی دروازے کی گھنٹی بجا سکتے ہیں۔ سنا ہے بیگم خان انگریزوں سے بھی زیادہ وقت کی پابند ہیں اور ابا جان ہمیں سختی سے اس بات کی تاکید کر چکے ہیں کہ وقت کا خاص خیال رکھیں۔" محمود بولا۔

"اگر وہ انگریزوں سے زیادہ وقت کی پابند ہیں تو ہم بھی ان سے کم پابند نہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا، پھر بولی:

"آؤ، پانچ منٹ کے لیے قصبے میں گھوم آئیں۔"

"کہیں اس طرح ہم لیٹ نہ ہو جائیں۔" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"بھئی لیٹ کس طرح ہو جائیں گے، ہم دو منٹ تک کسی

سمت میں چلتے رہیں گے اور پھر واپس آ جائیں گے، اس طرح
چار منٹ گزر جائیں گے، ایک منٹ باقی رہ جائے گا، جو ہم
یہاں گزار ہی لیں گے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" فاروق نے کندھے اچکائے اور وہ
قصبے کی طرف مڑ گئے۔

بیگم خان کا مکان قصبے کے ایک کنارے واقع تھا، قصبے
کا نام قصبہ خان تھا، یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ چند روز
پہلے بیگم خان نے انسپکٹر جمشید کو ایک خط لکھا تھا، خط میں
ان سے قصبہ خان میں آنے کی درخواست کی تھی، وہ کسی وجہ
سے بہت پریشان تھیں، لیکن چونکہ انسپکٹر جمشید ان دنوں بہت
مصروف تھے، اس لیے وہ خود نہیں آ سکے تھے، البتہ ان تینوں
کو بھیج دیا اور اس کی اطلاع بذریعہ تار وہ پہلے ہی بیگم
خان کو دے چکے تھے۔ تار میں ان کے پہنچنے کا وقت پونے
چار بجے لکھا تھا۔

بیگم خان کے شوہر خان وجاہت خان وفات پا چکے تھے۔ وہ
انسپکٹر جمشید کے گہرے دوست تھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ
البتہ بیگم خان سے کبھی نہیں ملے تھے۔ قصبہ خان میں وہ پہلی
مرتبہ آئے تھے۔

"میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے۔" قدم اٹھاتے ہوئے فرزانہ

بول پڑی۔

"وہ بھی آ جائیں تو ہم کیا کر لیں گے۔" فاروق گنگنایا۔

"کیوں نہ ہم اس محل میں داخل ہونے سے پہلے یہ معلوم
کرنے کی کوشش کریں کہ بیگم خان کیوں پریشان ہیں۔"

"ہمارے پاس صرف چند منٹ ہیں اور ان چند منٹوں میں
شاید ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔" محمود بولا۔

"یہ کیا مشکل ہے، ٹھہرو۔" فرزانہ نے کہا اور پھر کچھ دور ایک
پگ ڈنڈی پر گزرتے ہوئے آدمی کی طرف بڑھتے ہوئے بلند
آواز میں بولی:

"ذرا بات سنیے گا جناب!"

اس آدمی نے چونک کر نظریں اٹھائیں اور پھر ان کی
طرف آنے لگا۔ قریب آنے پر اس نے دیہاتی زبان میں
پوچھا:

"جی فرمائیے۔"

"ہمیں بیگم خان سے ملنا ہے۔ وہ قصبے میں کہاں رہتی ہیں؟"

"آپ لوگ ان کے محل سے دور نکل آئے ہیں... واپس
جائیے وہ جو بڑا سا مکان نظر آ رہا ہے، وہ ان کا ہی ہے۔"

"اوہو، پھر تو یہ بہت دولت مند ہیں۔" فرزانہ نے حیرت
بھرے لہجے میں کہا۔

"بہت سے بھی کچھ زیادہ.... راہگیر نے کہا۔

"پھر تو وہ بہت خوش رہتی ہوں گی۔" فرزانہ نے بھی خوش ہو کر کہا۔

"خوشی..... خوشی تو شاید ان کی قسمت میں ہے ہی نہیں۔" اس نے غمگین سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"افسوس! میں نہیں جانتا، وہ خوش کیوں نہیں رہتیں۔ پورا قصبہ یہ تو جانتا ہے کہ وہ خوش نہیں رہتیں، لیکن یہ نہیں جانتا کہ خوش کیوں نہیں رہتیں۔"

"اوہ! یہ تو عجیب بات ہے، اچھا جناب بہت بہت شکریہ۔" فرزانہ نے کہا اور وہ پھر واپس چل پڑے۔

"پہلے ہی مرحلے پر ناکامی۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا کہ وہ کسی نامعلوم وجہ سے پریشان ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"یہ بات تو ہمیں ان کے تار سے ہی معلوم ہو گئی تھی۔"

"چلو خیر، ہمیں وقت تو گزارنا ہی تھا۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

محمود نے گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر جونہی پونے چار بجے، اس نے دروازے کی گھنٹی بجا دی۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور ایک بہت کمزور سی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"میں انسپکٹر جمشید کے بچوں کو خوش آمدید کہتی ہوں، پونے چار بجنے میں ایک منٹ پر میں اندر سے چل پڑی تھی

تاکہ ٹھیک پونے چار بجے دروازے پر پہنچ جاؤں، مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم بھی میری طرح وقت کے بہت پابند ہو، ٹھہرو! اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تمہارے نام کیا کیا ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق تم محمود ہو اور تم فاروق اور فرزانہ تو ظاہر ہی ہے کہ یہ ہو گی۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا آنٹی! آداب!" محمود نے کہا۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی انہیں آداب کہا!

اب انہوں نے دیکھا، وہ ایک پہیوں والی کرسی پر بیٹھی تھیں، ان کے دائیں بائیں دو ملازم کھڑے تھے۔ یہ شاید کرسی کو دھکیلتے ہوئے آئے تھے۔

"آپ..... آپ پہیوں والی کرسی استعمال کرتی ہیں۔"

"ہاں میرے بچو! میں بہت کمزور ہو چکی ہوں۔ میری ٹانگوں میں اتنی سکت نہیں رہی کہ کھڑی ہو سکوں، یوں میں بالکل ٹھیک ہوں اور ڈاکٹر خاور کا خیال ہے کہ میں ابھی کم از کم پندرہ سال اور زندہ رہوں گی۔"

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"خوشی کی ہی تو بات نہیں ہے۔" انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"بات کیا ہے آنٹی۔" فاروق نے پوچھا۔

"آؤ، اندر آجاؤ میرے بچو! جمشید نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ تم حالات پر مکمل طور پر قابو پا لو گے، انہوں نے کچھ سوچ کر ہی اپنی بجائے تمہیں یہاں بھیجا ہے۔"

"جی دراصل وہ ایک ملکی معاملے میں بہت مصروف ہیں۔" محمود بولا۔

"ٹھیک ہے، میں انہیں جانتی ہوں، اگر وہ مجبور نہ ہوتے تو اڑ کر یہاں پہنچ جاتے، خیر پہلے تم اندر تو چلو۔"

دونوں ملازموں نے کرسی کا رُخ موڑا اور وہ کرسی کے ساتھ قدم اٹھانے لگے:

"ابھی پانچ بجے ہم سب مل کر چائے پئیں گے، اس وقت باقی لوگوں سے تمہیں ملواؤں گی، فی الحال تم میرے ساتھ میرے کمرے میں چلو گے۔"

بیگم خان کا کمرہ کیا تھا، کسی ملکہ کا کمرہ تھا۔ جھاڑ فانوس، قیمتی قالین جس پر چلتے ہوئے پاؤں اندر دھنستے تھے، کرسیوں پر ہاتھی دانت کا کام کیا گیا تھا اور میزیں بھی آبنوس کی لکڑی کی تھیں، ان پر سنہری تاروں سے مینا کاری کی گئی تھی۔ کمرے میں دیواروں میں نصب تین الماریاں بھی تھیں۔ ان الماریوں کے دروازوں پر تالے لگے نظر آئے۔

ملازموں کے سہارے بیگم خان اپنے پلنگ پر لیٹ گئیں، ملازم تین کرسیاں ان کے پلنگ کے پاس اٹھا لائے اور وہ تینوں

ان پر بیٹھ گئے۔ پھر ان کے اشارے پر ملازم باہر نکل گئے۔ کمرے میں تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی پھر بیگم خان کی آواز ابھری:

"اس گھر کا ایک فرد مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے۔"

"جی!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کیسے ثابت ہو چکی ہے، یہ میں ابھی تمہیں بتاؤں گی، پہلے یہ سن لو کہ جونہی مجھے یہ معلوم ہوا، کوئی شخص مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے، میں نے اپنے وکیل کو بلوا کر وصیت لکھوا دی.... شاید تم یہ سن کر حیران ہوں گے کہ میں نے اپنی ساری جائداد اور ہیرے جواہرات انسپکٹر جمشید کے نام کر دیے ہیں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ پھر محمود نے کہا:

"لیکن آپ نے ایسا کیوں کیا، حق تو حق دار کو ملنا چاہیے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، لیکن اس صورت میں جب کہ کوئی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، اگر وہ کامیاب ہو گیا اور پکڑا بھی نہ گیا تو کیا وہ جائداد میں سے حصہ نہیں وصول کرے گا۔ میرا قاتل میری جائداد میں سے حصہ وصول کرے، یہ میں کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اسی لیے میں نے وصیت لکھوا دی ہے کہ تمام جائداد انسپکٹر جمشید کے قبضے میں رہے گی۔

جب تک کہ میرا قاتل گرفتار نہ ہو جائے۔ قاتل کی گرفتاری کے
بعد البتہ انسپکٹر جمشید اس جائداد میں سے تین حصے وصیت کے
مطابق میرے تمام عزیزوں میں تقسیم کر دیں گے اور چوتھا حصہ ان
کا اپنا ہوگا، یعنی تمہارا۔"

"لیکن کیوں، چوتھے حصے پر ہمارا کیا حق؟" فرزانہ نے حیران
ہو کر پوچھا۔

"اس لیے کہ یہ خان وجاہت خان کی وصیت ہے۔ انہوں
نے اس کا ذکر صرف مجھ سے کیا تھا، ایک بار جمشید نے خان
وجاہت خان کی جان بچائی تھی۔"

"پھر بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ ابا جان وہ حصہ قبول نہیں کریں گے۔"

"انہیں ایسا کرنا ہوگا، یہ میری وصیت ہے۔" بڑھیا نے مضبوط
لہجے میں کہا۔

"سوال تو یہ ہے کہ قاتل کامیاب ہی کیوں ہو گا، خدا
نہ کرے کہ وہ کامیاب ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہم جو
یہاں آگئے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اس وقت تک اس نے جو وار کیے ہیں، ان سے یہی
اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت چالاک ہے، اور یہ کہ اس کا
وار ضرور چلے گا، ویسے بھی مجھے جینے کی کوئی ایسی آرزو نہیں۔
میں مرنے کے لیے تیار ہوں اور چاہتی ہوں وہ قانون سے

بچا نہ رہے۔"

"کیا آپ کو اندازہ ہے کہ وہ کون ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"نہیں! اگر اندازہ ہوتا تو فوراً اسے قانون کے حوالے
کر دیتی۔"

چند لمحے تک وہ خاموشی سے بیگم خان کو دیکھتے رہے،
آخر فاروق نے کہا:

"اب ہمیں یہ بتائیے کہ وہ اس وقت کیا کیا وار کر
چکا ہے۔"

"سب سے پہلے اس نے میرے رات کے دودھ میں زہر
ملایا، لیکن میری بلی نے دودھ گرا دیا اور خود پی گئی، اس
نے شاید زہر ملاتے ہوئے دیکھ لیا تھا، مجھے بچانے کے لیے
اس نے دودھ گرا دیا اور یہ بتانے کے لیے کہ اس نے دودھ
کیوں گرایا ہے، خود دودھ پی لیا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ
بلی کی موت کا مجھے بہت صدمہ ہے۔ اس نے [illegible] اپنی جان
قربان کر دی، باغ میں میں نے اس کی باقاعدہ قبر بنوائی ہے،
اس پر ایک کتبہ بھی لکھوایا ہے۔" یہ بتاتے ہوئے بیگم خان
کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"واقعی بہت دردناک واقعہ ہے، کتوں کے بارے میں تو
ایسی وفاداری کی باتیں ہم نے بہت سنی ہیں، لیکن بلی کے بارے

میں پہلی مرتبہ سنا ہے۔" محمود نے کہا۔
" اس کے بعد ایک رات میرے کمرے میں ایک آلہ پڑا پایا
گیا، کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بند پائی گئیں، حالانکہ
موسم بہار کے دن ہیں اور میں کھڑکیاں کھول کر سوئی تھی،
اچانک میری آنکھ کھل گئی اور مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا،
مجھے یوں لگا جیسے کمرے کی آکسیجن تیزی سے ختم ہو رہی ہو،
میں نے تپائی پر رکھا ہوا ٹیبل لیمپ کھڑکی کے شیشے پر دے مارا،
شیشہ ٹوٹ گیا اور اس طرح تازہ ہوا اندر داخل ہو گئی،
اس کے بعد میں نے شور مچا دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ آلہ
کمرے کی آکسیجن جذب کر رہا تھا۔"
" ایسا آلہ بھلا کہاں سے آ گیا۔"
" یہ آلہ میرے ایک بیٹے کے پاس موجود تھا، اس کا کہنا
ہے کہ آلہ اس کے کمرے سے چرایا گیا ہے۔"
" ہوں! اس کے علاوہ بھی اس نے کوئی اور کوشش کی۔"
" ہاں! ایک کوشش اور، میں دونوں ملازموں کے ساتھ روزانہ
سیر کے لیے جاتی ہوں، سڑک ڈھلوان ہے، اس ڈھلوان سڑک
پر ایک دن مجھ پر ایک پتھر پھینکا گیا، لیکن میں بال بال بچ
گئی۔ میں نے اور ملازمین نے فوراً ادھر دیکھا جدھر سے پتھر آیا
تھا، لیکن ادھر گھنا جنگل تھا اور ڈھلوان سڑک ہونے کی

وجہ سے ملازم کرسی چھوڑ کر حملہ آور کی تلاش میں نہیں جا سکتے
تھے۔ لہذا کچھ پتا نہ چل سکا.... اس وقت تک صرف تین بار
یہ حملہ ہوا ہے۔"
" ہوں! کیا آپ کے تین بیٹے ہیں۔" فرزانہ نے سوال کیا۔
" تم نے یہ کس طرح اندازہ لگایا۔" بیگم خان بولیں۔
" اور کیا ان میں سے ایک ڈاکٹر ہیں۔" محمود بول پڑا۔
" حیرت ہے، کیا یہ باتیں تمہیں کسی نے بتائی ہیں۔" بیگم خان
نے انہیں گھورا۔
" جی نہیں! اور ہم تو یہ تک کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا
دوسرا بیٹا انجنیئر ہے۔"
" کمال ہے۔" بیگم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
" اب رہ گئے آپ کے تیسرے بیٹے! تو جہاں تک میرا
خیال ہے، وہ ٹھیکیدار ہیں۔"
" اف خدایا! ضرور یہ باتیں کوئی تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہے۔"
" ایسی کوئی بات نہیں، ہمیں تو یہ بات بھی آپ ہی زبانی
معلوم ہوئی ہے کہ آپ کے تین بیٹے ہیں، اندازہ ہم نے
ضرور لگایا تھا۔" فرزانہ مسکرائی۔
" آخر کیسے، تم نے اتنے درست اندازے کس طرح لگا
لیے۔" انہوں نے پوچھا۔

حملہ آپ پر تین انداز سے کیا گیا، پہلی مرتبہ زہر دیا
گیا، زہروں کا تعلق عام طور پر ڈاکٹروں سے یا حکیموں سے
ہوتا ہے، لہٰذا ہم نے خیال کیا کہ آپ کا کم از کم ایک
بیٹا ڈاکٹر ہے، دوسرا حملہ ایک آلے کی مدد سے ہوا جس
نے کمرے کی آکسیجن جذب کر لی، اس آلے کا تعلق کسی انجنیئر
سے ہی ہو سکتا تھا، اس لیے ہم نے اندازہ لگا لیا کہ آپ
کا ایک بیٹا انجنیئر ہے، اس کے بعد تیسرا حملہ پتھر کے ذریعے
ہوا، پتھر وغیرہ کا تجربہ کسی ٹھیکیدار کو بھی ہو سکتا ہے،
لہٰذا یہ اندازہ بھی بالکل درست نکلا۔"

"اب میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ تم ضرور قاتل تک
پہنچ جاؤ گے۔" بیگم خان نے ایک لمبا سانس کھینچا۔

"آپ یہ کہتی ہیں کہ ہم قاتل تک پہنچ جائیں گے اور
ہم یہ کہتے ہیں کہ قتل کی نوبت ہی نہ آنے دیں گے۔" محمود
نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، تم اس واردات کو ہونے سے
نہیں روک سکو گے۔" بیگم خان نے غمزدہ آواز میں کہا۔

"آپ یہ بات اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتی ہیں۔"

"وہ جو کوئی بھی ہے، اپنی دھن کا پکا ہے، چوتھی بار بھی
حملہ کرے گا اور یہ ضروری نہیں کہ میں اس بار بھی بچ جاؤں۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم ایک بار سب لوگوں سے مل لیں،
اس کے بعد آپ کو بہت کچھ بتا سکیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"بس اب چائے کا وقت ہوا ہی چاہتا ہے۔"

"اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک سیاہ رنگ کی چیز
اندر پھینکتے ہی دوبارہ بند کر دیا گیا۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ اچھل کر کھڑے ہو گئے پھر جونہی
ان کی نظر اس سیاہ رنگ کی چیز پر پڑی، ان کے چہروں پر
خوف دوڑنے لگا۔

بم سو گیا ہے

"کیا ہم ان کھڑکیوں سے چھلانگیں لگا کر باہر جا سکتے ہیں"
محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں! کھڑکیوں میں سلاخیں لگی ہیں۔"

"تب پھر فوراً فرش پر لیٹ جائیں، بلکہ پلنگ کے نیچے ہو جائیں ...... فاروق، فرزانہ جلدی کرو۔ انہیں سہارا دو۔"

انہوں نے افراتفری کے عالم میں بیگم خان کو سہارا دے کر نیچے اتارا اور ان کے ساتھ وہ خود بھی فرش پر لیٹ گئے۔

"یہ ..... یہ کیا چیز ہے۔" بیگم خان ہکلائیں۔

"یہ ایک ننھا سا بم ہے، جونہی یہ پھٹے گا، کمرے میں دھواں بھر جائے گا۔ اس کے ٹکڑے بندوق کی گولیوں کی طرح چاروں طرف مار کریں گے، جس کے بھی ٹکڑا لگ گیا ٹکڑا اس کے جسم سے پار ہو جائے گا۔" محمود نے بتایا۔

"اف خدا! اب کیا ہوگا۔"

"پلنگ کے نیچے ہم ٹکڑوں سے تو کسی حد تک محفوظ ہیں

لیکن دھوئیں سے بچنا بہت مشکل ہے اور اگر دھواں زہریلا ہوا تو پھر زندہ بچنا بہت مشکل ہے، اور یہ مجرم کی طرف سے آپ پر چوتھا وار ہے جس کی لپیٹ میں ہم بھی آ گئے ہیں۔"
محمود بولا۔

"تو ہم مل کر شور کیوں نہ مچائیں۔"

"اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ مجرم نے اتنا کچا کام نہیں کیا ہوگا، اس نے باہر کوئی تالا لگا دیا ہوگا، اب گھر والے جب گھبرا کر دروازے پر آئیں گے تو بوکھلاہٹ میں دروازہ نہیں کھولا جا سکے گا۔" محمود نے کہا۔

"لیکن بم پھٹنے کے بعد بھی تو وہ آئیں گے ہی۔ اس وقت دروازہ کھلنے میں دیر ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ لہذا میں تو یہی مناسب سمجھتی ہوں کہ شور مچا دیا جائے۔" فرزانہ نے کہا۔

"میں بھی فرزانہ کی تائید کرتا ہوں۔"

"بہت بہتر تو پھر چلو، شور مچائیں۔"

انہوں نے ایک ساتھ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ ابھی تک بم بھی نہیں پھٹا تھا شور مچانے کے ساتھ ساتھ ان کی نظریں سیاہ رنگ کے بم پر جمی تھیں۔ یہ تکونی سی شکل کا تھا اور حجم ایک کلو کے باٹ جتنا رہا ہوگا۔

"آج تو ہم بہت بُرے پھنسے" فاروق بڑبڑایا۔ یہ جملہ اس
نے چیخنا بند کر کے کہا تھا۔
"دراصل ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ معاملہ اس حد تک
خطرناک ہوگا، ورنہ پہلے ہی اس پہلو پہ غور کر لیتے" فرزانہ
بولی۔
"خدا کو یاد کرو، وہی اس وقت مدد کرنے والا ہے"
"لیکن یہ تم نے شور مچانا کیوں بند کر دیا" بیگم خان نے
بوکھلا کر کہا۔
"آنٹی! یہ جو ہمارا بھائی ہے نا فاروق! اس کی زبان
سے بس خدا بچائے، شاید موت کے منہ میں بھی یہ خاموش نہیں
رہے گی" محمود نے جل کر کہا۔
"یہ بات تو واقعی درست ہے، کیونکہ اس وقت بھی
تو ہم موت کے منہ میں ہی ہیں، اگر یہ موت کا منہ نہیں تو
پھر موت کا منہ کیسا ہوتا ہوگا" فرزانہ بولی۔
"میں نے تو آج تک دیکھا نہیں، ورنہ تمہیں ضرور بتاتا کہ
کیسا ہوتا ہے" فاروق مسکرایا۔
"حیرت ہے، تم ان حالات میں بھی مسکرا سکتے ہو" بیگم خان
نے انہیں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔
"شاید ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ بم مصنوعی ہے اور پھٹے

گا نہیں" فاروق جلدی سے بولا۔
"کہیں یہ سچ مچ مصنوعی بم نہ ہو" فرزانہ چونکی۔
"ہرگز نہیں.... بھلا بم پھینکنے والے کو کیا پڑی تھی کہ مصنوعی بم
پھینکتا، اس سے تو یہ بہتر تھا کہ وہ پھینکتا ہی نہ" محمود
نے کہا۔
عین اسی وقت دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ بیگم خان
نے چلا کر کہا:
"دروازہ باہر سے کھول ڈالو، میری اور مہمانوں کی زندگی
خطرے میں ہے"
"کیا کہا آپ نے امی جان"! باہر سے کسی نے چیخ کر کہا۔
"میری اور مہمانوں کی زندگی سخت خطرے میں ہے، کمرے
کے اندر بم پھینک کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا ہے،
تالا کھول دو یا توڑ دو، جیسے بھی ہو، ہمیں باہر نکلنا ہے،
تم لوگ خود بھی بچ کر رہنا، ایسا نہ ہو، ادھر دروازہ کھلے،
ادھر بم چل جائے"
باہر ایک لمحے کے لیے سناٹا طاری ہوگیا۔ پھر دروازے پر
ٹکریں ماری جانے لگیں، لیکن وہ دروازہ ایک محل نما مکان
کے کمرے کا دروازہ تھا، اتنی آسانی سے ٹوٹنے والا کہاں تھا۔
اچانک محمود کو خیال آیا۔

"بھئی فاروق، ہمیں ہمت کر کے کھڑکیاں ضرور کھول دینی چاہئیں۔"

"ہوں تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"لیکن اگر اس دوران بم چل گیا تو ہم کہاں ہوں گے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"اسی کمرے میں، زندہ یا مردہ!" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"کم از کم میں یہ کام ضرور کروں گا، اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اگر بم چل گیا تو دھواں نکلنے میں دیر نہیں لگے گی۔" محمود نے کہا۔

"اور اگر بم کا کوئی ٹکڑا چہل قدمی کرتا تمہاری طرف مڑ گیا تو تمہیں اگلے جہان جانے میں بھی دیر نہیں لگے گی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"خدا نہ کرے۔" فرزانہ نے فاروق کو گھورا۔

"کیا مجھے آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جانے کا ارادہ ہے۔"

"اس بم سے زیادہ عجیب و غریب چیز تو تم ہو۔"

"چیز! آنٹی ہم آپ کو چیز نظر آ رہے ہیں۔"

"ہاں! میں نے موت کے دروازے پر کبھی کسی کو اتنی بے فکری سے باتیں کرتے نہیں دیکھا۔" وہ بولیں۔

"بات دراصل یہ ہے آنٹی کہ ہم آئے دن اس قسم کے حالات

اور واقعات سے دو چار ہوتے رہتے ہیں، اس لیے عادی ہو گئے ہیں، یہ تو بہت چھوٹا سا بم ہے، ہم نے تو بڑے بڑے بموں کی موجودگی میں باتیں کی ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"فاروق! ڈینگیں نہ مارو۔" فرزانہ نے گویا اسے جھڑکا۔

"اچھا!" اس نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا، پھر چونک کر بولا: "یہ بم تو شاید سو گیا ہے۔"

"بم سو گیا ہے!!" بیگم خان کے منہ سے حیرت کی زیادتی سے نکلا۔

"اگر سو نہیں گیا تو چلتا کیوں نہیں اور یہ گھر کے لوگوں کو کیا ہوا، ابھی تک دروازہ نہیں توڑ سکے۔"

"اور یہ بم بھی شاید چلتے چلتے ہی چلے گا، کہیں کوئی ہمیں بے وقوف تو نہیں بنا رہا۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"کیا مطلب! یہ ہمیں بے وقوف بنانے کی کسی کو کیا ضرورت پڑ گئی۔" محمود بولا اور فاروق کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی، اسی وقت دروازہ دھڑام سے اندر کی طرف گرا اور گرا بھی بم کے عین اوپر، اس کے ساتھ ہی ایک خوفناک دھماکا ہوا اور دروازے کے پرخچے اڑ گئے۔ دروازے کے پرخچے دیواروں اور کھڑکیوں سے پوری قوت سے ٹکرائے، ان میں سے بہت سے ٹکڑے دروازے سے نکل کر ان لوگوں کے لگے جو دروازہ توڑنے میں مصروف تھے اور اس کے اندر گرنے کے بعد ابھی خود

کو سنبھال نہیں پائے تھے کہ دھماکا ہو گیا۔ ان کی چیخوں سے پورا
محل لرز کر رہ گیا۔

ان ٹکڑوں میں لوہے کے کچھ ٹکڑے بھی تھے۔ یہ بم کے تھے،
لیکن خیر ہوئی کہ لوہے کا ٹکڑا کسی کے نہیں لگا، بیگم خان
محمود، فاروق اور فرزانہ تو بالکل ہی بچ گئے، ان تک کوئی
ٹکڑا نہیں پہنچ سکا۔

"کیوں آنٹی! مانتی ہیں آپ" محمود نے کہا۔

"میرے بچے"! ان کے منہ سے پریشانی کے عالم میں نکلا
اور وہ پلنگ کے نیچے سے نکل کر دروازے کی طرف دوڑیں۔
تینوں بھی نکل آتے۔ یہ دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی کہ
زخم معمولی آئے تھے۔

"اس کا مطلب ہے، وہ بم صرف چھیڑے جانے کی صورت
میں پھٹنے والا تھا۔ ہم اسے دیکھتے دیکھتے تنگ آ جاتے تو آخر کار
اسے آگے بڑھ کر دیکھتے، ہلاتے جلاتے، اس وقت وہ چل
جاتا اور آس پاس کے لوگوں کا صفایا کر دیتا" فرزانہ نے
نتیجہ نکالا۔

"اوہ"! بیگم خان کے منہ سے خوفزدہ انداز میں نکلا۔ ابھی
وہ خوف زدہ سے دروازے کے پاس ہی کھڑے تھے کہ محل
میں کہیں کوئی بلند آواز میں چیخا۔

○

"یہ.... یہ کس کی آواز ہے"! محمود بولا۔

"ایسی چیخیں اس محل میں گونجتی ہی رہتی ہیں"۔ بیگم خان نے
آہ بھری۔

"کیا مطلب"؟ وہ چونکے۔

"ابھی ہم ناشتے کی میز پر چل رہے، وہیں سب کچھ
بتاؤں گی"۔

"لیکن اس سے پہلے زخمیوں کی مرہم پٹی ہو جانی چاہیے"۔

"فاخر! جلدی جلدی سب کی مرہم پٹی کر دو"۔ انہوں نے ایک
نوجوان سے کہا۔

"جی بہتر"! ڈاکٹر فاخر نے کہا اور سب کو لے کر اپنے
اس کمرے میں آیا جو اس نے کلینک کے طور پر سجا رکھا تھا۔

"یہاں قصبے کے لوگ مفت علاج کے لیے آتے ہیں، میرا یہ
نیک دل بیٹا علاج کا ایک پیسہ بھی نہیں لیتا"۔ بیگم خان نے
انہیں بتایا۔

"خدا سب ڈاکٹروں کو غریبوں کا علاج مفت کرنے کی توفیق
عطا فرمائے"۔ فرزانہ نے کہا۔

ڈاکٹر فاخر نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، بس

زخمیوں کی مرہم پٹی میں لگا رہا۔ اس سے ملتے جلتے دو نوجوان
وہاں اور بھی تھے، ایک لڑکی بھی تھی ان کے علاوہ دو ملازم بھی
تھے جو انہیں بیگم خاں کی کرسی کے ساتھ دروازے پر نظر
آئے تھے۔ تقریباً سبھی کے چوٹ آئی تھی، خود ڈاکٹر فاخر کے
بازو سے بھی خون بہہ رہا تھا، لیکن اس نے اپنے بازو کی طرف کوئی
توجہ نہ دی تھی۔ سب کی مرہم پٹی کرنے کے بعد ہی اس نے
اپنے بازو کو دیکھا اور آخر وہ سب ناشتے کی میز پر پہنچے؛
اس سے پہلے ہی ڈاکٹر فاخر پولیس کو فون کر چکا تھا۔ اب
تعارف کا وقت آیا۔ بیگم خاں نے کہا۔

"تین مہمانوں سے ملو، یہ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔ انسپکٹر
جمشید سے تم اچھی طرح واقف ہو، یہ ان کے بیٹے ہیں۔"

"اوہو!!! آپ نے پہلے نہیں بتایا" ڈاکٹر فاخر نے حیرت زدہ
لہجے میں کہا۔

"موقع ہی کہاں ملا، یہ آئے ہی تھے کہ کمرے میں بم پھینک
دیا گیا، خیر.... تو میں تمہیں ان کی آمد کا مقصد بھی بتا دوں،
مجھ پر تین مرتبہ قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے، یہاں کی پولیس کچھ
بھی معلوم نہ کر سکی کہ یہ کون کر رہا ہے، آخر میں نے انسپکٹر
جمشید سے یہاں آنے کی درخواست کی، لیکن وہ ان دنوں
کسی اہم ملکی مسئلے میں الجھے ہوئے تھے، لہذا انہوں نے اپنے

تینوں بچوں کو بھیج دیا۔"

"لیکن ممی! یہ کیا کر لیں گے۔" دوسرے نوجوان نے منہ
بنا کر کہا۔

"یہ میرا باقر بیٹا ہے، بہت اچھا انجینئر ہے، سب سے
بڑا بھی ہے اور ذرا شکی مزاج ہے۔" بیگم خان نے بیٹے
کی بات کو سنا ان سنا کرتے ہوئے کہا۔

"ممی! میں نے یہ پوچھا ہے کہ یہ کیا کر لیں گے۔ تین
بچے" اس نے منہ بنایا۔

"یہ انسپکٹر جمشید بہتر سمجھتے ہیں کہ یہ کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں،
مجھے انسپکٹر جمشید کی سوجھ بوجھ پر مکمل اعتماد ہے۔ اب
خاموش رہو، پہلے میں تعارف مکمل کر لوں۔ ڈاکٹر فاخر کے بارے
میں تو تم تینوں کو پتا لگ ہی چکا ہے۔ یہ میرا تیسرا بیٹا
شاکر ہے اور یہ ٹھیکیدار ہے۔"

"مجھے آپ تینوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی، میں آپ
کے والد کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہوں" شاکر نے
بڑی گرم جوشی سے ان سے ہاتھ ملایا، جب کہ باقر اور فاخر
نے ان سے ہاتھ ملانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"اور یہ فاخرہ ہے بی اے کر چکی ہے اور اب گھر میں
[ک]شیدہ کاری کرتی رہتی ہے، یہ اگرچہ میری...."

اسی وقت وہی لرزا دینے والی چیخ پھر سنائی دی۔ وہ چونک اٹھے
"آپ نے اس چیخ کے بارے میں تو بتایا ہی نہیں۔"
"یہ میرے چھوٹے بھائی جاوید اختر کی چیخ ہے، وہ پاگل ہو
چکا ہے، میں اس کا علاج ملک کے تمام بڑے بڑے ڈاکٹروں
سے کرا چکی ہوں، لیکن اس کا پاگل پن دور نہیں ہو سکا۔"
"کیا وہ خطرناک پاگل ہیں؟"
"نہیں، وہ کسی کو کچھ نہیں کہتا، بس خود بخود چیختا چلاتا
رہتا ہے، بھوک لگتی ہے تو خود ہی باورچی خانے میں سے کچھ
نکال کر کھا لیتا ہے، ورنہ سارا دن یونہی چیختا چلاتا پھرتا رہتا ہے۔"
اسی وقت چیخ کی آواز بہت نزدیک سے آئی اور پھر
ایک عجیب سی شکل صورت کا آدمی کھانے کے کمرے میں داخل
ہوتا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں وحشیانہ انداز میں باہر کو اُبلی
ہوئی تھیں۔ داڑھی کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے
کپڑے صاف ستھرے اور قیمتی تھے، لیکن بے ترتیب تھے
قمیص کے بٹن کھلے تھے، کالر الٹا ہوا تھا، آستین بھی بٹن
بغیر ادھر ادھر جھول رہی تھیں، البتہ پاؤں میں جوتے نہیں
تھے۔ چند لمحے تک وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے ان سب
کو گھورتا رہا، پھر اس کی نظریں محمود، فاروق اور فرزانہ پر
جم گئیں، اچانک اس کے لب ہلے:

"ہوں! میں سمجھ گیا، تم نے اپنی مدد کے لیے ان لوگوں کو
بلایا ہے، لیکن یاد رکھو بڑھیا، میں تمہیں ایک نہ ایک دن
ضرور جان سے مارنے میں کامیاب ہو جاؤں گا...... میں
میں تمہیں قتل ضرور کروں گا۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔
ساتھ ہی دروازے کی گھنٹی بجی۔

سونے کا لاکٹ

"رفیق مرزا تم دیکھو، کون آیا ہے۔" بیگم خان نے کہا۔
کرسی دھکیلنے والے دو ملازموں میں سے ایک دروازہ
طرف چلا گیا۔
"یہ رفیق مرزا ہے اور یہ خادم حسین، ان دونوں کے
گھر میں کوئی ملازم نہیں، یہی دونوں سارا کام کرتے ہیں۔ ک
بھی پکاتے ہیں۔"
"گویا گھر کے یہی کل افراد ہیں۔ چار آپ کے بچے، ای
بھائی، دو ملازم اور ایک آپ خود۔" محمود نے کہا۔
"ہاں!" بیگم خان کے منہ سے نکلا۔
"اور ان میں سے کوئی ایک آپ کی جان کا دشمن ہے"
"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں، یہی اس گھر کی بدقسمتی
ہے... سب کچھ ہے، کسی کو کسی چیز کی کمی نہیں، پھ
... کون ہے جو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔"
"خیر! یہ ہم معلوم کر لیں گے، ویسے آپ کا اپنے

کے بارے میں کیا خیال ہے، کہیں وہ مصنوعی پاگل تو نہیں اور
اس پاگل پن کی آڑ میں آپ کو ختم کر کے ساری دولت اور
جائیداد پر قبضہ کرنے کی کوشش میں ہو، ظاہر ہے، پاگل پن
کی حالت میں اگر وہ یہ کام کر گزرتا ہے تو عدالت اسے سزا
نہیں دے سکے گی۔ بڑے بڑے ڈاکٹر اسے پاگل قرار دے
چکے ہیں۔"
"یہی تو میں بھی کہتا ہوں.... لیکن بیگم صاحبہ میری بات کو
تسلیم ہی نہیں کرتیں۔" کمرے کے دروازے کی طرف سے آواز
آئی۔ انہوں نے ادھر دیکھا تو پولیس کی وردی میں ایک ادھیڑ عمر
کا آدمی دکھائی دیا۔ اس نے قدم اندر رکھتے ہوئے کہا:
"مجھے سب انسپکٹر طغیانی کہتے ہیں۔"
"طغیانی؟" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں کہا۔
"جی ہاں! یہ میرا تخلص ہے، پورا نام کریم خان طغیانی
ہے۔"
"بھئی بہت خوب! نام تو بہت زور دار ہے۔" محمود نے
خوش ہو کر کہا۔
"لیکن آپ لوگ کون ہیں۔" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔
"ہمارے نام اتنے زور دار نہیں ہیں صرف محمود، فاروق
اور فرزانہ ہیں۔"

"اور یہ انسپکٹر جنید کے چچا ہیں۔" بیگم خان نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ! ارے! ہائیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"شاید آپ نے یہ تین لفظ ہم میں سے ایک ایک کے لیے ادا کیے ہیں۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا اور میز پر موجود کئی لوگ مسکرانے لگے۔ سب انسپکٹر طغیانی انہیں گھورنے لگا۔

"ابھی ابھی بیگم صاحبہ پر بم پھینکا گیا ہے، اس کمرے کو جوں کا توں چھوڑ دیا گیا ہے، آپ اپنے آدمیوں کے ذریعے وہاں کی کارروائی مکمل کر لیں۔ بم کے ٹکڑے جمع کر لیں، ہمیں یہ پتا کرنا پڑے گا کہ وہ بم کہاں سے حاصل کیا گیا اور کس نے حاصل کیا۔"

"اوہ! ارے! ہائیں۔" اس کے منہ سے پھر نکلا اور اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ حیرت کے وقت یہ تینوں لفظ ایک ساتھ ادا کرنا اس کی عادت ہے۔

چائے کی پیالی پی کر سب انسپکٹر تو بم والے کمرے میں چلا گیا اور انہوں نے پورے محل کا جائزہ لینے کا پروگرام بنایا۔ اس گھر کے اندر انہیں عجیب سا احساس ہو رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے کوئی شخص ان کی ایک ایک قدم پر نگرانی کر رہا ہو۔

"یہ گھر بھی عجیب گھر ہے۔ یہاں ایک پاگل شخص موجود ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ وہ بیگم خان کو قتل کر دے گا، کوئی شخص تین بار بیگم خان پر حملہ کر چکا ہے، لیکن ہم اس پاگل کو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے، نہ اس سے کچھ پوچھ سکتے ہیں جب کہ یہ عین ممکن ہے کہ وہ مصنوعی پاگل ہو۔"

"اگر وہ مصنوعی پاگل ہے تو ہم یہ بات معلوم کر لیں گے، اس کی نگرانی کرتے رہیں گے۔"

"اگر مجرم وہی ہے تو اسے مجرم ثابت کرنے میں ہمیں دانتوں پسینہ آ جائے گا۔" محمود نے کہا۔

"ایک عرصے سے میری خواہش تھی کہ کبھی مجھے دانتوں پسینہ آئے، خدا کا شکر ہے کہ ایسا موقع آنے والا ہے۔" فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

"خدا کرے، دانتوں کے ساتھ تمہاری زبان کو بھی پسینہ آ جائے۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"آمین!" محمود جلدی سے بولا۔

"یہ ہم محل کا جائزہ لے رہے ہیں، یا ایک دوسرے پر جل بھن رہے ہیں۔" فاروق بولا۔

"یہاں بے شمار کمروں کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔ اصل میں تو ہمیں رہائشی کمروں کا جائزہ لینا ہوگا اور یہ اسی وقت ممکن ہے، جب بیگم صاحبہ اور دوسرے ہمیں اجازت دے دیں۔"

"میں حیران ہوں کہ وہ کون سنگ دل ہے جو بیگم خان جیسی

مہربان عورت کو قتل کرنے پر تلا ہوا ہے۔"

"کوئی نہ کوئی تو ضرور ہے، ایک حملہ تو ہمارے سامنے ہی ہو چکا ہے، اس کا مطلب ہے، تین بار پہلے واقعی حملہ ہو چکا ہے۔"

"سوچنا یہ ہے کہ ہم پانچویں حملے سے بیگم خان کو کس طرح بچائیں، اور پانچویں بار حملہ کس رُخ سے ہو گا۔" محمود نے کہا۔

"ہم نجومی نہیں ہیں کہ یہ معلوم کر لیں گے۔" فاروق بولا۔

اسی وقت ملازم رفیق مرزا انہیں اپنی طرف آتا نظر آیا، اس نے آتے ہی کہا۔

"سب انسپکٹر صاحب آپ کو بیگم صاحبہ والے کمرے میں بلا رہے ہیں، انہیں کوئی خاص چیز ملی ہے۔"

"بہت خوب! آؤ بھئی چلیں۔"

تینوں تیز تیز چلتے دوبارہ اسی کمرے میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر پہلے جو کمرہ انتہائی نفاست سے سجا ہوا تھا، اب ایک کباڑ خانہ نظر آ رہا تھا۔ اسے کباڑ خانہ بنانے میں کچھ ہاتھ تو بم کا تھا، کچھ اس دروازے کا جو توڑ ڈالا گیا تھا اور اس کے علاوہ کچھ کام سب انسپکٹر طغیانی کا بھی تھا، اس نے کچھ اس بے دردی سے لوہے کے ٹکڑے تلاش کرائے کہ ہر چیز درہم برہم ہو کر رہ گئی تھی۔

"جی فرمائیے! آپ کو کیا عجیب چیز ملی ہے؟"

"میرے نزدیک تو یہ ضرور ایک عجیب چیز ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ آپ اسے کوئی اہمیت نہ دیں، تاہم میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کو دکھا دوں۔" یہ کہہ کر اس نے میز پر رکھی ہوئی کاغذ میں لپٹی کوئی چیز ان کی طرف بڑھا دی۔ محمود نے اسے لیا اور کاغذ کھول ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے تینوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ ایک سونے کا لاکٹ تھا جس پر نگ جڑے ہوئے تھے۔

○

رات کے کھانے پر سوائے جاوید اختر کے سب موجود تھے۔ ابھی کھانا شروع نہیں ہوا تھا کہ محمود نے کاغذ میں لپٹا ہوا لاکٹ کاغذ ہٹا کر میز کے بیچوں بیچ رکھ دیا، وہ سب لاکٹ کو دیکھنے لگے اور ان تینوں کی نظر ان سب کا جائزہ لینے لگیں۔ ان میں سے صرف ایک چہرہ ایسا تھا جس پر لاکٹ کو دیکھ کر بے پناہ حیرت کے آثار نمودار ہو گئے تھے اور اس نے حیرت کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ بیگم خان تھیں، ابھی وہ کچھ کہہ بھی نہیں پائی تھیں کہ ڈاکٹر فاخر بول پڑا:

"میں اس لاکٹ کو میز پر رکھنے کا مقصد نہیں سمجھا۔"

"سمجھا تو میں بھی نہیں، لیکن شاید یہ تینوں معزز مہمان سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" انجینئر باقر نے منہ بنایا۔

"باقر کچھ تو خیال کرو، یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں اور وہ ہمارے والد مرحوم کے بہت گہرے دوست تھے۔" شاکر ٹھیکیدار نے باقر کو گھورا۔

"ہوں گے۔" اس نے پھر منہ بنایا۔

"باقر۔ بری بات ہے۔" بیگم خان نے اسے ڈانٹا اور وہ منہ دوسری طرف کر کے بیٹھ گیا۔

"آنٹی! اس لاکٹ کے بارے میں آپ کچھ بتا سکتی ہیں؟"

"یہ..... یہ لاکٹ ہے، اور میں کیا بتا سکتی ہوں، ویسے یہ تم نے میز پر کیوں رکھا، تمہیں کہاں سے ملا؟" انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ ہمیں آپ کے کمرے سے ملا ہے۔ بم کے ٹکڑوں کے ساتھ یہ بھی ملا ہے، میرا خیال ہے، آپ اس کے بارے میں ضرور کچھ جانتی ہیں۔"

"نہیں! میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔" بیگم خان نے جلدی سے کہا، لیکن ان تینوں نے یہ بات صاف محسوس کر لی کہ وہ لاکٹ کے بارے میں ضرور کچھ جانتی ہیں۔ تاہم انہوں نے اس کے بارے میں ان سے کوئی اور سوال نہ کیا۔ اب فرزانہ بولی:

"فاخرہ صاحبہ کے بارے میں آپ نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا، جب بتا رہی تھیں تو آپ کے بھائی جاوید اختر آ گئے تھے اور بات درمیان میں رہ گئی تھی۔"

"ہاں! فاخرہ کو اگرچہ میں نے بیٹیوں کی طرح پالا ہے، لیکن یہ بات اس گھر کا ہر فرد جانتا ہے اور خود فاخرہ بھی جانتی ہے کہ یہ میری بیٹی نہیں ہے، عرصہ گزرا، یہ چار پانچ سال کی تھی کہ ایک شخص اسے لے کر آیا تھا، اس نے بتایا کہ اس بچی کے ماں باپ مر چکے ہیں، اب اس کا بھری دنیا میں کوئی نہیں، اگر آپ اس کی پرورش کر دیں تو یہ بہت نیکی کا کام ہو گا، میں نے اسے اپنی بیٹی بنا لیا، اس وقت میرے تینوں بچے ایک، دو اور تین سال کے تھے، گویا یہ ان تینوں سے بڑی ہے۔ اس وقت اس نے اپنا جو نام بتایا تھا، وہ مجھے پسند نہ آیا، چنانچہ میں نے فاخرہ رکھ دیا، کیونکہ میرے بڑے بیٹے کا نام فاخر ہے۔" یہ کہہ کر بیگم خان خاموش ہو گئیں۔

"اب سوال یہ ہے کہ یہ لاکٹ کس کا ہے، فاخرہ صاحبہ کا یا یہ آپ کا ہے، کیونکہ اس گھر میں عورت آپ دو ہی ہیں، اب ہم فاخر، باقر اور شاکر صاحبان سے تو یہ معلوم کرنے سے رہے کہ یہ لاکٹ ان کا تو نہیں۔" فاروق نے بے چارگی کے

عالم میں کہا۔ اس کی بات پر کچھ لوگ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"جی نہیں! یہ میرا نہیں ہے۔"

"تب پھر مجبوراً یہ سوال کرنا پڑے گا کہ گھر بھر میں یہ لاکٹ جس کا بھی ہے، وہ ہمیں بتا دے۔"

اس پر بھی کوئی کچھ نہ بولا، آخر کھانا شروع ہوا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئے۔ اس وقت فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

"معاملہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے، بیگم خان اس لاکٹ کے بارے میں ضرور کچھ جانتی ہیں، لیکن وہ اس بات سے صاف انکار کر رہی ہیں، اس طرح ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں۔"

"ہم کچھ دیر بعد ان سے تنہائی میں ملیں گے۔ اپنے کمرے میں وہ تنہا ہوں گی، ہو سکتا ہے، انہوں نے سب کے سامنے لاکٹ کے بارے میں کچھ بتانا مناسب نہ سمجھا ہو۔" محمود نے خیال پیش کیا۔

"بات دل کو لگتی ہے۔" فاروق نے سر ہلایا۔

"خدا کا شکر ہے، میری کوئی بات تمہارے دل کو تو لگی۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے، یہ کیس ہم سے حل نہیں ہو سکے گا اور ابا جان کو بلانا پڑے گا۔"

فرزانہ بولی۔

"بزدلی کی باتیں نہ کرو، ہم آخر دم تک کوشش کریں گے۔"

فاروق بولا۔

"اگر تنہائی میں بھی بیگم خان نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا تو ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں ہی مارتے رہ جائیں گے۔"

محمود بولا۔

"اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں کیوں ماریں گے، پورے گھر کے بلب جلا لیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"میں اس وقت تک صرف ایک نتیجے پر پہنچا ہوں اور وہ یہ کہ اس گھر کے کل آٹھ افراد ہیں، ان آٹھ میں سے سات افراد ایسے ہیں، جن میں سے ایک بیگم خان کو جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے، ان سات میں سے تین تو ان کے بیٹے ہیں، ایک پاگل بھائی ہے، دو ملازم اور ایک لے پالک بیٹی ہے، اب ٹیک پڑتا ہے لاکٹ، لاکٹوں کا تعلق تو عورتوں سے ہی ہوتا ہے، لہذا ہم سب سے پہلے بیگم خان اور فاخرہ سے بات کریں گے، یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ وہ کیا چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں اور کتنا کچھ جانتی ہیں، یاد رکھو، ابا جان نے ہم پر کچھ بھروسہ کر کے یہاں بھیجا ہے، اگر ہم ناکام ہوئے تو زندگی بھر شرمندگی رہے گی۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"اور زندگی بھر شرمندہ رہنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔" فاروق نے معصومانہ انداز میں کہا۔

"ابھی تک تو ہم نے کوئی ایسا کام نہیں دکھایا کہ شرمندہ ہونے سے بچ سکیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہمیں بہت تیزی سے کام شروع کرنا چاہیے، جس قدر جلد ہم یہ معلوم کرلیں کہ بیگم خان کو کون مار ڈالنا چاہتا ہے، اتنا ہی اچھا ہے، کہیں اس کا کوئی وار چل نہ جائے۔" محمود نے کہا۔

"صرف باتیں بنانے سے کچھ نہیں ہوگا، آؤ پہلے بیگم خان سے مل آئیں۔"

تینوں اٹھ کھڑے ہوئے، بیگم خان اپنے کمرے میں بستر میں دراز ایک کتاب پڑھ رہی تھیں، ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔ قدموں کی آہٹ سن کر انہوں نے کتاب پر سے نظریں ہٹائیں، انہیں دیکھتے ہی بولیں:

"مجھے یقین تھا، تم تینوں میرے پاس ضرور آؤ گے۔"

"اور ہمیں یقین ہے کہ آپ کو اس لاکٹ کے بارے میں ضرور کچھ معلوم ہے۔"

"تم تینوں بہت چالاک ہو، ہاں! میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں اس لاکٹ کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر بتائیے، لاکٹ کس کا ہے، جب کمرے میں بم پھینکا گیا تھا، اس وقت وہاں کوئی لاکٹ نہیں تھا۔"

"یہ ایک بہت لمبی کہانی ہے، اس لاکٹ کو دیکھنے سے پہلے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میری زندگی میں کوئی ایسا دن بھی آئے گا جب مجھے یہ کہانی سنانا پڑے گی۔ برسوں پہلے میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا تھا، تم اسے بہت بڑا جرم بھی سمجھ سکتے ہو، کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا، اس روز سے آج تک میں ہر روز تڑپتی سسکتی رہی ہوں، لیکن میرے رونے کو کوئی نہیں دیکھ سکا، دوسروں کے سامنے میں مسکراتی رہی اور اپنے کمرے میں روتی رہی، کیوں..... اس لیے کہ میں نے بہت بڑا جرم کیا تھا، شاید خدا مجھے اس جرم کی سزا دیتا رہا ہے.... یہ آج سے بیس اکیس سال پہلے کی بات ہے....."

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اس وقت کمرے کے دروازے پر کسی نے زور سے دستک دی تھی، وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

شمالی کمرہ

"دروازہ اندر سے بند نہیں ہے، جو کوئی بھی ہے، اندر آ جائیے۔" بیگم خان نے بلند آواز میں کہا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور رفیق مرزا اندر داخل ہوا:

"بیگم صاحبہ! ابھی ابھی شمالی کمرے کی کھڑکی کے ذریعے کوئی باہر کودا ہے، شاید کوئی اس کھڑکی کے ذریعے اندر آ کر چھپا ہوا تھا۔ میں اتفاق سے ادھر سے گزر رہا تھا، کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا، میری نظر کمرے کے اندر پڑی تو اس وقت میں نے دیکھا، کوئی کھڑکی پر چڑھا نیچے چھلانگ لگانے کے لیے پر تول رہا تھا، میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے چھلانگ لگا دی، میں شور مچاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور خود بھی کھڑکی کے ذریعے نیچے کود گیا، لیکن اتنی دیر میں وہ جنگل میں غائب ہو چکا تھا:"

"اوہ! یہ تو تم ایک انتہائی حیرت انگیز اور خطرناک بات سنا رہے ہو، اب تک تو میں یہ خیال کرتی رہی ہوں کہ

کوئی گھر کا آدمی مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے، کوئی باہر کا آدمی اس کوشش میں ہے اور یہ اور بھی حیرت انگیز بات ہے، کیونکہ کسی باہر کے آدمی کو بھلا کیا پڑی کہ میرے خون سے ہاتھ رنگے، خیر تم جا کر سب انسپکٹر طغیانی کو فون کر دو، وہ آ کر دیکھ لے گا اور خود بھی چوکس رہو۔"

"جی بہتر! کیا میں باقی لوگوں کو اس بارے میں بتا دوں؟"

"ہاں! بتا دو، تاکہ وہ بھی ہوشیار ہو جائیں اور ہاں تمام کھڑکیاں اور دروازے اندر سے بند کر دو، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج رات وہ پھر حملہ کرنے آئے گا، شاید وہ ان تینوں کی آمد سے بوکھلا گیا ہے۔" یہ کہہ کر بیگم خان خاموش ہو گئیں اور رفیق مرزا واپس چلا گیا۔

"ہاں! تو میں کیا کہہ رہی تھی؟"

"معاف کیجیے گا آنٹی! آپ کی کہانی تو ہم پھر بھی سن لیں گے، ذرا پہلے ہم اس کھڑکی اور آس پاس کی جگہ کو دیکھ لیں، شاید وہ کوئی سراغ چھوڑ گیا ہو۔"

"جیسے تمہاری مرضی!" انہوں نے کہا اور وہ اٹھ کر باہر نکل آئے۔ دوسری طرف سے انہیں خادم حسین آتا دکھائی دیا۔

"بابا شمالی کمرہ کونسا ہے؟"

"آئیے! میں دکھا دوں، کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"تمہیں نہیں معلوم، رفیق مرزا نے کچھ نہیں بتایا؟"

"رفیق مرزا نے .... نہیں تو، اس نے تو کچھ نہیں بتایا!" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"خیر! اس نے ایک آدمی کو شمالی کمرے کی کھڑکی سے چھلانگ لگاتے دیکھا ہے؟"

"یا اللہ رحم! خدا جانے یہاں کیا ہو رہا ہے.... آئیے میں آپ کو شمالی کمرہ دکھا دوں۔"

وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس کمرے میں آئے، یہ بالکل خالی پڑا تھا۔ خادم حسین تو انہیں وہاں چھوڑ کر چلا گیا اور انہوں نے کمرے کا بلب جلا کر جائزہ لینا شروع کیا، تینوں پوری احتیاط سے کام لے رہے تھے۔

کمرے کے فرش پر گرد کی تہہ جمی تھی اور اس پر قدموں کے نشانات دو طرح کے موجود تھے۔ جن سے ظاہر تھا کہ ایک تو کھڑکی کے ذریعے چھلانگ لگانے والے کے تھے اور دوسرے رفیق مرزا کے تھے۔ چھلانگ لگانے والے کے پیروں کے نشان بھی دونوں رُخ کے موجود تھے، یعنی کھڑکی سے دروازے تک آتے وقت بننے والے اور واپس کھڑکی کی طرف جانے والے، البتہ رفیق مرزا کے صرف ایک ہی رخ

پر تھے، یعنی کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے۔ انہوں نے ان نشانات کا بغور جائزہ لیا، ایک تنکے کی مدد سے ان کی پیمائش کی۔ آخر محمود نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

"فاروق! اپنے کمرے سے ٹارچ اور کیمرہ لے آؤ، ہمیں یہاں بہت کام کرنا پڑے گا۔"

"تو تم خود کیوں نہیں لے آتے جا کر۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"عجیب کام چور ہو، اتنا سا کام بھی نہیں کر سکتے، فرزانہ تم جاؤ۔"

"میں کیوں جاؤں، تم کوئی ہم دونوں کے اوپر افسر ہو، یا اس کیس میں ہم تمہاری ماتحتی میں کام کر رہے ہیں، میرا خیال ہے، ابا جان نے اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔" فرزانہ نے بھی صاف جواب دیا۔

"توبہ ہے تم دونوں سے، بال کی کھال اتارنے لگ جاتے ہو، بھئی ان نشانات کی حفاظت کے لیے میری یہاں .... موجودگی ضروری ہے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے، ہم ان نشانات کی حفاظت نہیں کر سکتے، اگر تمہارا خیال یہی ہے تو بالکل غلط ہے، کیونکہ ہم ان نشانات کی حفاظت بخوبی کر سکتے ہیں۔"

"اچھا بابا! تم دونوں کام چور یہیں ٹھہرو، میں خود ٹارچ اور کیمرہ لے آتا ہوں۔"

"ضرور لے آؤ۔" فاروق مسکرایا اور محمود پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔

"فرزانہ! کم ازکم تم نے محمود کے ساتھ زیادتی کی، تمہیں کیمرہ اور ٹارچ لا دینی چاہیئے تھی۔"

"وہ کیسے؟"

"اس لیے کہ تم محمود سے چھوٹی ہو۔" فاروق مسکرایا۔

"اور تم بھی تو چھوٹے ہو۔"

"میں اتنا چھوٹا نہیں، جتنی تم۔" فاروق نے کہا۔

"اچھا اچھا! زیادہ باتیں نہ بناؤ اور یہ بتاؤ ان نشانات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"یہ نشانات.... ہاں.... یہ نشانات۔ بھئی اب میں ان کے بارے میں کیا بتاؤں.... بہت صاف ستھرے اور پیارے نشانات ہیں، اگر ہم کوشش کر کے بھی بنائیں تو شاید اتنے صاف ستھرے نشانات نہ بنا سکیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ تم نے ان نشانات کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی ہے۔" فرزانہ نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"تو پھر اور کیا کیا ہے۔" فاروق پر تو شاید شرارت کا بھوت سوار تھا۔

"اچھا خاموش رہو، کہیں میرے سر میں درد نہ ہو جائے۔"

"وہ تو میرے خاموش رہنے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"تم یوں نہیں مانو گے۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا اور اس پر جھپٹی۔ عین اسی وقت محمود وہاں پہنچ گیا اور وہ اس سے بڑی زور سے ٹکرائی۔

"یہ ہے بزرگوں سے ٹکر لینے کا نتیجہ، ابھی شکر کرو، تمہارا سر دروازے کی چوکھٹ سے نہیں ٹکرایا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ارے ارے! یہ کیا کر رہے ہو تم۔"

"ان نشانات کے بارے میں فیصلہ کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے پر جھپٹ جھپٹ کر۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"فرزانہ کا خیال ہے، ہم اس طریقے سے ان نشانات کے بارے میں بالکل صحیح نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔" فاروق چہکا۔

"بالکل غلط خیال ہے۔" محمود بول پڑا۔

"ہاں! میں نے بھی یہی کہا تھا، مگر اس نے میری بات مانی ہی نہیں۔"

"میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔" فرزانہ نے دانت پیستے ہوئے

کہا اور ایک بار پھر اس پر جھپٹی۔ اس مرتبہ محمود خود ان
کے درمیان آگیا۔

"دیکھو! یہ کام کا وقت ہے، پہلے کام ختم کر لو، اس
کے بعد اطمینان سے ایک دوسرے پر جھپٹ لینا۔"

"مشورہ انتہائی معقول ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"بس! ڈر گئے" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! ڈر گیا، اس لیے ڈر گیا، کہیں..... کام کا وقت
نہ نکل جائے۔"

"اب ذرا مہربانی فرما کر مجھے ان نشانات کی تصاویر لے
لینے دو۔ اس کے بعد ہمیں اس کھڑکی کے نیچے بھی قدموں
کے نشانات دیکھنے ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

اس نے سب سے پہلے کمرے میں موجود تمام نشانات
کی تصاویر لیں، ان کا کیمرہ ایک خاص کیمرہ تھا اور اس
قسم کے کاموں کے لیے ہی تھا۔ تصاویر لینے کے بعد وہ
کھڑکی کی طرف بڑھے۔ ٹارچ کی روشنی انہوں نے نیچے ڈال
کر دیکھی، اونچائی زیادہ نہیں تھی، وہ آسانی سے چھلانگ
لگا سکتے تھے:

"پہلے صرف میں چھلانگ لگاؤں گا، تاکہ کم سے کم نشانات
ضائع ہوں۔ میرے تصاویر لینے کے بعد تم بھی نیچے آسکتے

ہو۔" محمود نے کہا اور نیچے چھلانگ لگا دی۔

"کیا خیال ہے فاروق، جتنی دیر میں محمود اپنا کام ختم
کرتا ہے، ہم آپس میں فیصلہ کر لیں۔" فرزانہ نے آستین
چڑھاتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، تمہیں ابھی تک غصہ آ رہا ہے، لیکن
شاید تم بھول گئیں، غصہ حرام ہوتا ہے اور غصہ کرنے
والا لڑائی میں مار کھا جاتا ہے، لہذا پہلے تم غصے پر قابو
پالو، پھر مجھ سے مقابلہ کر لینا، میں نہیں چاہتا، تم مار کھا
جاؤ، کیونکہ ابھی ہمارے پاس کھانے کے لیے اور بہت
کچھ ہے اور پھر ہماری میزبان بھی کوئی غریب نہیں، وہ
ہمیں اچھے سے اچھے کھانے کھلا سکتی ہے۔"

"خدایا رحم! اس کی زبان سے محفوظ فرما۔" فرزانہ نے
آسمان کی طرف دیکھنا چاہا، لیکن اس کی نظریں کمرے کی چھت
سے ٹکرا کر لوٹ آئیں۔

"بے شک وہ رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔"

"خیر خیر..... سمجھوں گی تم سے، اس وقت تو تم بہت
بزدلی دکھا رہے ہو۔" فرزانہ بولی۔

"بھئی کام کا وقت ہے نا، اور پھر چھوٹی بہن سے لڑنا
کوئی بہادری نہیں، ہاں محمود مجھ سے لڑنے کی کوشش کرے

تو میں ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"
اسی وقت نیچے سے محمود کی آواز سنائی دی۔
"چلو! آجاؤ نیچے! میں نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔"
انہوں نے ایک دوسرے کے پیچھے چھلانگیں لگا دیں۔
اب وہ محمود کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے سنا، محمود کہہ رہا تھا:
"ایک بہت عجیب بات سامنے آئی ہے۔"
"عجیب باتیں ہمارے سامنے نہیں آئیں گی تو بے چاری کس کے سامنے آئیں گی، ہم نے ہی تو ان کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"اگر تم سنجیدگی سے سن نہیں سکتے تو کم از کم خاموش ہی رہو ..... ہاں تو عجیب بات یہ ہے کہ رفیق مرزا نے جس آدمی کو چھلانگ لگا کر جاتے دیکھا، یہاں اس کے قدموں کے نشانات موجود ہیں اور بالکل ویسے ہی ہیں جیسے اوپر کمرے میں ملے ہیں، یہ نشانات جنگل کی طرف جا رہے ہیں، لیکن آتے ہوئے قدموں کے نشانات یہاں نہیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ محل میں داخل کس راستے سے ہوا تھا، کیا وہ ہوا میں اڑتا ہوا کھڑکی تک پہنچا تھا۔"
فاروق اور فرزانہ نے بھی جھک کر قدموں کے نشانات کا

جائزہ لیا اور محمود کے خیال کی تائید کی۔
"ہو سکتا ہے، وہ کسی اور کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہوا ہو۔"
"ہم ابھی محل کے ارد گرد ایک چکر لگا کر دیکھیں گے۔ پہلے ان قدموں کا تعاقب کر کے دیکھ لیں کہ یہ ہمیں کہاں تک لے جاتے ہیں۔" محمود نے کہا۔
تینوں ٹارچ کی مدد سے ان نشانات کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے، یہاں تک کہ جنگل میں داخل ہو گئے۔ آگے چل کر ایک جگہ گھنی گھاس اور جھاڑیاں نظر آئیں، یہ جھاڑیاں زمین پر تقریباً لیٹی ہوئی تھیں۔ اس جگہ آ کر قدموں کے نشانات کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ادھر ادھر کافی تلاش کے بعد بھی انہیں قدموں کا کوئی نشان نہ مل سکا۔
"وہ شخص ضرور جھاڑیوں اور گھاس پر قدم رکھتا ہوا کہیں کا کہیں نکل گیا اور ان نشانات کے ذریعے اس تک پہنچنا ناممکن ہے۔" فرزانہ بولی۔
"تو پھر یہاں وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے، قدموں کے نشانات ہم لے ہی چکے ہیں، آؤ اندر چلتے ہیں، بلکہ پہلے .... محل کے ارد گرد چکر لگا لیں، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی اور کھڑکی کے ذریعے تو داخل نہیں ہوا تھا۔"

محمود نے تجویز پیش کی۔

تینوں واپس پلٹے اور چکر لگانے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ جو کوئی بھی تھا، یا تو شمالی کمرے والی کھڑکی سے اندر داخل ہوا تھا، یا پھر صدر دروازے سے، کیونکہ باقی تمام کھڑکیوں میں سلاخیں لگی تھیں۔ آخر وہ اندر داخل ہوئے۔ رفیق مرزا انہیں برآمدے میں اندر کی طرف جاتا نظر آیا، شاید وہ ابھی صدر دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔

"ہیلو بابا! تم نے جس وقت اس شخص کو دیکھا، کیا صدر دروازہ اندر سے بند تھا؟"

"صدر دروازہ .... میں کچھ کہہ نہیں سکتا، لیکن بات کیا ہے؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ شخص شمالی کھڑکی کے ذریعے صرف فرار ہوا ہے، اندر داخل اس کھڑکی سے نہیں ہوا۔" محمود بولا۔

"کیوں بھلا، آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" رفیق مرزا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھئی! اس کے قدموں کے نشانات کا رُخ صرف جاتے ہوئے ملتا ہے، آتے ہوئے نہیں، لہذا یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ صدر دروازے سے داخل ہوا ہو گا۔"

"تب پھر ضرور صدر دروازہ کھلا ہو گا، ویسے عام طور پر رات کو دس بجے اندر سے بند کیا جاتا ہے، اس سے پہلے نہیں، کیونکہ باقر صاحب، فاخر صاحب اور شاکر صاحب سیر و تفریح کے لیے شام کے وقت ضرور گھر سے نکلتے ہیں اور ان کی واپسی دس بجے سے پہلے نہیں ہوتی۔" اس نے بتایا۔

"کیا تینوں بھائی ساتھ جاتے ہیں؟" فرزانہ نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"جی نہیں! الگ الگ جاتے ہیں۔ ان کے شوق بھی الگ الگ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب تو اپنے ڈاکٹر دوستوں کے پاس جاتے ہیں۔ انجنیئر صاحب کو پہاڑ کی سیر کا بہت شوق ہے، وہ پہاڑ کی طرف نکل جاتے ہیں۔ رہے ٹھیکیدار صاحب، انہیں یہاں کے سب سے اچھے ہوٹل میں بیٹھنے کا شوق ہے۔"

"بہت خوب! اور فاخرہ صاحبہ کا کیا شوق ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"وہ بہت سیدھی سادھی، خاموشی اور تنہائی پسند لڑکی ہے، زیادہ تر اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہے، بغیر ضرورت کسی سے کوئی بات نہیں کرتی۔"

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے، خدا سب کو ایسی توفیق دے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے، تم کہاں سے آ رہے ہو؟" فرزانہ بولی۔
"بازار سے کچھ چیزیں لانا تھیں، دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ یاد آیا، بیگم صاحبہ نے تھوڑی دیر پہلے دودھ کا گلاس لانے کے لیے کہا تھا اور وہ میں بھول ہی گیا تھا، لہٰذا اب انہیں دودھ دینے جا رہا ہوں۔"
"کیا وہ شام کے کھانے سے پہلے بھی دودھ پیتی ہیں؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔
"ڈاکٹر صاحب کی انہیں یہی ہدایت ہے کہ وہ دن میں زیادہ سے زیادہ دودھ پییں، ان کے معدے میں تیزابیت بہت بڑھ گئی ہے۔" رفیق مرزا بولا۔
"بہت خوب! تو پھر تم دودھ دے آؤ۔ اب ہم ان سے رات کے کھانے کے بعد ملیں گے۔"
تینوں اپنے کمرے کی طرف چل پڑے، رفیق مرزا باورچی خانے کی طرف چلا گیا۔
"یوں لگتا ہے، جیسے یہاں بہت گہرا اور بہت خوفناک چکر چل رہا ہے۔" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔
"ایک ہی وقت میں بہت گہرا اور بہت خوفناک چکر بھی چل سکتا ہے؟" محمود نے اسے گھورا۔
"ہاں! چل سکتا ہے، جہاں ہم ہوں، وہاں چل سکتا ہے۔"

فرزانہ کی بجائے فاروق نے جواب دیا۔
"لیکن ہم تو یہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئے ہیں، چکر یہاں پہلے سے چل رہا ہے۔" محمود نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔
"ہمیں اپنی تفتیش جلد از جلد شروع کرنی چاہیے، رات کے کھانے پر ہم اس بات کا اعلان کریں گے کہ ہم گھر کے ہر فرد سے باری باری پوچھ گچھ کرنے ان کے کمروں میں آئیں گے، لہٰذا کوئی اعتراض نہ کرے اور ہر ممکن تعاون کرے۔"
"ٹھیک ہے، جونہی ہم کسی نتیجے پر پہنچیں گے، بیگم خان کو خبر کر دیں گے۔"
"اور اگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے تو ان سے معافی مانگ کر یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔" فاروق نے مسمی صورت بنائی۔
"اور گھر جا کر ابا جان سے جھڑکیاں سنیں گے۔" فرزانہ بھی تڑ سے بولی۔
"سب سے زیادہ عجیب کہانی فاخرہ کی ہے، وہ اسی گھر میں پیدا نہیں ہوئی، اسے پالا گیا ہے۔" محمود نے کہا۔
"اس میں عجیب بات کیا ہے، ایسا تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے، ہاں وہ لاکٹ ضرور مجھے حیرت میں ڈال رہا ہے۔"

"اس کے بارے میں بیگم خان بتانے والی ہی تھیں کہ رفیق مرزا آ دھمکا اور اس نے خبر سنائی کہ اس نے کسی کو شمالی کمرے سے باہر کودتے دیکھا ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں، رات کے کھانے کے بعد....."

محمود کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے، دروازہ ایک دھماکے سے کھلا، رفیق مرزا آندھی اور طوفان کی طرح اندر داخل ہوا اور پھر دھڑام سے فرش پر گر پڑا، اس کا پورا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا، چہرے پر خوف کے ایسے آثار تھے کہ خود انہیں خوف محسوس ہونے لگا۔ اس نے ...... اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے، تھر تھر کانپتی آواز میں کہا:

"وہ .... وہ .... وہ ..... بیگم صا...."

اس کے ساتھ ہی وہ بے ہوش ہو کر ایک بار پھر فرش پر گر گیا۔

ایک نتیجہ

"یہ دودھ لے کر بیگم کے کمرے میں گیا تھا، ضرور وہیں کچھ ہوا ہے، آؤ جلدی۔" محمود چلایا۔

تینوں دوڑ کر باہر نکلے اور پھر لمبی لمبی چھلانگیں مارتے بیگم خان کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ ان کی چھلانگوں کی آواز پورے محل میں گونج کر رہ گئی۔ سب لوگ اپنے اپنے کمرے سے نکل کر ایک دوسرے کی طرف حیران ہو کر دیکھنے لگے اور پھر ان کی نظریں بیگم خان کے کمرے کے دروازے پر اٹک گئیں، کیونکہ اس دروازے پر کوئی نہیں تھا، لیکن دروازہ کھلا تھا۔ بیگم خان اپنے آپ چل کر دروازے پر نہیں آ سکتی تھیں اور نہ آئی تھیں، تو پھر دروازہ کیوں کھلا تھا۔ وہ سب حیران ہو کر ان کے کمرے کی طرف لپکے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کمرے میں داخل ہوتے ہی رک گئے۔ انہیں عجیب سا احساس ہوا۔ بیگم خان بستر میں لیٹی گہری نیند سو رہی تھیں۔ کمرے کی ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔

یا بے ترتیبی نظر نہیں آئی، تپائی پر دودھ کا گلاس رکھا
تھا اور اس پر پلیٹ ڈھکی تھی، اسی وقت محمود، فاروق اور
فرزانہ کو اپنے پیچھے بہت سے قدموں کی آواز سنائی دی۔
وہ مڑے تو گھر کے سبھی افراد کو وہاں موجود پایا، البتہ
ان میں بیگم خان کا پاگل بھائی جاوید اختر نہیں تھا۔

"کیا بات ہے، کیا ہوا، خیر تو ہے۔" مختلف آوازیں گونجیں۔

"ابھی ابھی کون دوڑا تھا؟" فاخر بولا۔

"ہم دوڑے تھے۔" محمود نے کہا۔

"کیوں، کیا بات ہے، دوڑنے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"آپ کی والدہ....." فرزانہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
اس کی نظریں تینوں بیٹوں کے چہروں پر جم گئیں۔

"کیا ہوا امی جان کو۔" تینوں ایک ساتھ چیخے، ساتھ ہی
محمود اور فاروق نے باقیوں کے چہروں پر نظریں دوڑائیں۔
وہ سب بے چین نظر آئے۔

"آپ کی والدہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

"کیا!!!" ان سب کے منہ سے خوف زدہ انداز میں ایک ساتھ
نکلا۔ پھر وہ اندر کی طرف لپکے۔

"ٹھہریے۔" محمود چیخا۔ وہ ٹھٹک کر رک گئے۔

"انہیں قتل کیا گیا ہے، آپ کے آگے بڑھنے سے ہو

سکتا ہے، کوئی سراغ ضائع ہو جائے اور ہم قاتل تک نہ
پہنچ سکیں، لہذا آپ لوگ ذرا صبر اور برداشت سے کام لیں۔"
یہ کہہ کر محمود آگے بڑھا۔ فاروق اور فرزانہ وہیں جمے رہے، تاکہ
کوئی آگے نہ بڑھنے پائے۔ محمود نے بیگم خان کا قریب سے
جا کر جائزہ لیا، اب بھی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ گہری
نیند سو رہی ہوں، چہرے پر تازگی تھی، لیکن سانس کی آمد رفت
بند تھی اور پیٹ ساکن دیکھ کر ہی تینوں فوراً سمجھ گئے تھے
کہ وہ چل بسی ہیں۔

بیگم خان کے گلے میں سفید ڈوری کا پھندا دیکھ کر محمود
زور سے چونکا۔ گویا انہیں گلے میں پھندا ڈال کر موت کے
گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی پورے کمرے پر
ایک نظر ڈالی، قالین میں ایک چمک دار چیز کی جھلک نظر
آئی۔ اس نے جھک کر دیکھا، یہ ایک زنجیر تھی، سونے
کی زنجیر، اس نے زنجیر انگلی کے ذریعے اٹھائی اور ان سب
کے سامنے مڑ کر جیب میں رکھ لی۔ اس کے علاوہ وہاں اور
کوئی چیز نہیں تھی۔

"فاخر..... دیکھو تو سہی، کہیں ابھی امی جان زندہ نہ
ہوں۔" شاکر نے روتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ انہیں ایک نظر دیکھنے کے بعد میں یہ سمجھ گیا تھا کہ

انہیں مرے ہوئے کم از کم پندرہ منٹ گزر چکے ہیں۔" فاخر نے کہا۔

"اب آپ لوگ اپنی مرحوم والدہ کے نزدیک آ سکتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ان کی گردن سے پھندا نکال لیا۔ پھندے کو دیکھ کر ان لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ روتے ہوئے بیگم خان کی طرف بڑھے اور ان سے لپٹ گئے۔ کمرے میں چیخ و پکار کی آوازیں گونجنے لگیں۔ چند لمحے تک کھڑے رہنے کے بعد وہ تینوں باہر نکل آئے۔

"جاوید اختر یہاں نہیں آیا، آؤ دیکھیں، وہ کیا کر رہا ہے؟" محمود نے کہا۔

جاوید اختر کا کمرہ برآمدے کے آخری سرے پر تھا، وہ وہاں پہنچے، دروازہ کھلا تھا اور جاوید اختر ایک کرسی میں دھنسا دور خلا میں گھور رہا تھا۔ ان کے قدموں کی آہٹ سن کر بھی اس نے حرکت نہ کی۔ آخر وہ اس کے بالکل سامنے پہنچ گئے، اب اس نے انہیں دیکھا اور خالی خالی آنکھوں سے گھورنے لگا۔

"تت..... تم..... تم کون ہو؟" اس نے کہا۔

"ہم اس گھر میں مہمان ہیں..... آپ کی بہن کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں، انہیں میں نے ہی قتل کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا، کیونکہ اس وقت وہ بالکل بھی پاگل نظر نہیں آ رہا تھا۔

"آپ نے انہیں کس طرح ہلاک کیا؟" فاروق نے پوچھا۔

"گردن میں پھندا ڈال کر۔" اس نے کہا

"کیا یہ زنجیر آپ کی ہے؟" محمود نے زنجیر نکالی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔

"ہاں! یہ میری ہے، لیکن یہ آپ کو کہاں ملی؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ کی بہن کے کمرے میں، قالین پر پڑی تھی۔"

"ہوں! اس کا مطلب ہے کہ اس وقت گری ہو گی جب میں ان کا گلا گھونٹ رہا تھا۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ نے ہی اپنی بہن کو مارا ہے؟"

"ہاں! یہ میرا ہی کام ہے۔"

"کیا یہ پھندا آپ نے بنایا تھا؟"

"پھندا..... میں نے..... بنایا تھا....." اس کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں، پھر جیسے کچھ سوچ کر بولا:

"نہیں تو..... پھندا میں نے تو نہیں بنایا۔"

"آپ کو یقین ہے، پھندا آپ نے نہیں بنایا!" محمود نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں! بالکل یقین ہے۔"

اسی وقت برآمدے میں بھاری بوٹوں کی آواز گونج اٹھی۔ انہوں نے باہر نکل کر دیکھا تو انسپکٹر طغیانی اپنے ماتحتوں کے ساتھ بیگم خان کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ رک گیا:

"آخر وہ ہو ہی گیا جس کا ڈر تھا۔"

"ہاں! ہمیں بہت افسوس ہے، ہم ان کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے۔ دراصل ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی جلدی قاتل دوسری بار حملہ کرے گا۔" محمود نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"کیا آپ لوگ کسی نتیجے پر پہنچے؟"

"گلے میں پھندا ڈال کر ہلاک کیا گیا ہے، قالین پر سے سونے کی زنجیر ملی ہے، دونوں چیزیں یہ رہیں، بیگم خان کے بھائی جاوید اقبال کا کہنا ہے کہ زنجیر ان کی ہے اور انہوں نے ہی اپنی بہن کے گلے میں پھندا ڈال کر انہیں ہلاک کیا ہے، لیکن ان کا کہنا ہے کہ پھندا انہوں نے نہیں بنایا، ابھی ہم نے ان سے معلوم نہیں کیا کہ پھندا انہوں نے کہاں سے حاصل کیا۔"

"کیا اس وقت ان پر پاگل پن کے دورے کی کیفیت نہیں ہے۔" انسپکٹر طغیانی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی نہیں! اس وقت وہ بالکل ٹھیک ٹھاک حالت میں ہیں۔"

"کیوں ڈاکٹر صاحب! کیا وہ اس عالم میں بھی آجاتے ہیں۔"

"ہاں! چوبیس گھنٹے میں ایک دوبار وہ بالکل ٹھیک نظر آتے ہیں، عقل مندوں کی طرح باتیں کرتے ہیں..... دورے کی حالت میں بھی وہ بس پاگلوں جیسی باتیں ہی کرتے ہیں، کسی کو مارتے پیٹتے نہیں۔"

"ان کے اقرار کے بعد کہ انہوں نے ہی بیگم خان کو ہلاک کیا ہے، میں انہیں گرفتار کرنے پر مجبور ہوں اور اس صورت میں اور بھی کہ ان کی زنجیر بھی بیگم صاحبہ کے کمرے میں قالین پر پڑی پائی گئی ہے۔"

"ہم تو انہیں پاگل خانے میں داخل کرانے کے حق میں تھے، لیکن امی جان نے ہمیشہ ہماری مخالفت کی۔" باقر بولا۔

"سرکاری ڈاکٹر ان کا معائنہ کریں گے، اگر یہ مصنوعی پاگل ثابت ہوئے تو ان پر مقدمہ چلے گا، ورنہ انہیں پاگل خانے میں داخل کر دیا جائے گا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر طغیانی اندر داخل ہو گیا۔ اس نے لاش کا معائنہ کیا، کمرے کا جائزہ لیا، لیکن کوئی اور چیز نظر نہ آئی۔ آخر اس نے لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے

بھجوا دیا اور خود اپنے ماتحتوں کے ساتھ جاوید اقبال کے کمرے
میں پہنچا۔

" میں آپ کو آپ کی بہن کے قتل کے الزام میں گرفتار کرتا
ہوں، آپ کو اپنا وکیل کرنے کا موقع دیا جائے گا، آپ اپنی
صفائی میں جو کچھ بھی کہنا چاہیں، عدالت میں کہہ سکیں گے۔"

" میں کوئی وکیل نہیں کروں گا اور نہ اپنی صفائی میں کوئی
بیان دوں گا، مجھے گرفتار کر لیں، میں نے قتل کیا ہے۔" جاوید
اقبال نے پورے سکون کے ساتھ کہا۔ اس کے ان الفاظ کے
ساتھ ہی انسپکٹر طغیانی کے ماتحتوں نے اس کے ہاتھوں میں
ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

" لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے وہ پھندا کہاں سے حاصل
کیا تھا؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

" پھندا..... یہ میں نہیں جانتا کہ وہ پھندا میں نے کہاں سے
لیا، اپنی بہن کو ہلاک کرنے کی خواہش میرے دل میں بہت
دنوں سے تھی، بس میں نے اس خواہش کو پورا کر لیا۔"

" کیا اس سے پہلے بھی آپ تین بار انہیں ہلاک کرنے کی
کوشش کر چکے ہیں؟" محمود نے سوال کیا۔

" نہیں! زندگی میں پہلی بار موقع ملا تھا۔"

" اچھا یہ بتائیے! آپ کو یہ موقع کس طرح ملا؟" فاروق نے

جلدی سے پوچھا۔

" تھوڑی دیر پہلے میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنی
بہن کو مار ڈالو، پھندا میرے سرہانے رکھا تھا..... بس....."

" کیا کہا..... پھندا سرہانے رکھا تھا؟" محمود نے چونک کر پوچھا۔

" ہاں! پھندا میرے سرہانے رکھا تھا، نہ جانے میں وہ کہاں
سے لایا تھا، پھندے کو دیکھ کر ہی میرے دل میں خواہش
ابھری تھی، میں نے پھندا اٹھا لیا اور دبے پاؤں کمرے
سے نکل کر باجی کے کمرے میں پہنچا، وہ سو رہی تھی.....
گہری نیند....."

" گہری نیند سو رہی تھی؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

" ہاں! بس میں اس کے سرہانے گیا اور پھندا اس کے
گلے میں ڈال کر کس دیا اور وہ بڑے سکون سے مر گئی، نہ
تڑپی، نہ چیخی نہ چلائی۔"

" بس جناب! میرا خیال ہے، اب ان سے اور کوئی سوال
پوچھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ساری بات واضح ہو چکی ہے۔"
انسپکٹر طغیانی بولا۔

" ہوں! ٹھیک ہے، آپ انہیں لے جائیے، مہربانی فرما کر
پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے ہمیں ضرور باخبر کر دیجیے گا۔"

" جی ہاں! ضرور، کیوں نہیں۔"

ان کے جانے کے فوراً بعد محمود باقر کی طرف مڑا اور بولا:

"اور میرے خیال میں اب آپ بیگم صاحبہ کے وکیل کو بلا لیجیے، کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ بیگم صاحبہ نے کیا وصیت کی ہے، اس وقت تک ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔"

"لیکن اب الجھن کیا باقی ہے، قاتل گرفتار ہو چکا ہے۔"

"ہمیں یقین ہے، یہ قتل جاوید اقبال نے ہرگز نہیں کیا۔" محمود نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کیا!!!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

○

چند لمحوں کے لیے موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ یہ سن کر سکتے میں رہ گئے ہوں، گویا اس سے پہلے وہ جاوید اقبال کے گرفتار ہونے پر پرسکون ہو گئے تھے۔ آخر شاکر کے لب ہلے:

"اگر ماموں جان قاتل نہیں ہیں تو پھر انہوں نے یہ کیسے کہہ دیا کہ وہ قاتل ہیں، ان کی زنجیر وہاں کیوں پائی گئی، اور ان کے اس بیان کو آپ کس خانے میں فٹ کریں گے کہ انہوں نے اپنے سرہانے سے پھندا اٹھایا اور باجی کے کمرے میں جا

کر پھندا گردن میں ڈال کر کس دیا۔"

"اس کے لیے ہمارے پاس کئی خانے ہیں، کسی نہ کسی میں فٹ کر لیں گے۔" فاروق نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں سمجھا نہیں! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"یہ کہ رفیق مرزا نے آدھ گھنٹہ پہلے کسی شخص کو شمالی کمرے کی کھڑکی پھلانگ کر فرار ہوتے دیکھا تھا، ہمیں معلوم کرنا ہے کہ وہ کون شخص تھا۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"تو کیا اس شخص نے امی جان کو ہلاک کیا ہے؟" شاکر نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہم یہ نہیں کہتے، کیونکہ جس وقت رفیق مرزا نے ہمیں اگر یہ بتایا، اس وقت ہم بیگم صاحبہ سے باتیں کر رہے تھے۔"

"یا خدا! یہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔" خادم حسین کے منہ سے خوف زدہ انداز میں نکلا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اس کی آواز سن کر چونک پڑے، کیونکہ جب سے وہ اس گھر میں آئے تھے ان کی آواز نہیں سن سکے تھے، شاید وہ بہت ہی کم گو تھا۔ انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی:

"خادم حسین اور رفیق مرزا یہاں کب سے ملازم ہیں؟"

"تقریباً دس سال سے۔" باقر نے ناگوارانہ لہجے میں جواب دیا۔

"اگر آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس معاملے میں دخل اندازی
نہ کریں تو ہم واپس چلے جاتے ہیں، کیونکہ جنہوں نے ہمیں بلایا
تھا، اب وہ اس دنیا میں نہیں رہیں، تاہم میں اتنا کہوں گا کہ حالات
بہت الجھے ہوئے ہیں، شاید پولیس انسپکٹر معاملے کی تہہ کو نہ پہنچ
سکے اور ایک بے گناہ ساری زندگی پاگل خانے یا جیل میں سڑتا
رہے، اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اصل بات کا پتا چل جائے۔"

"بالکل ٹھیک، ہم سب کی یہی خواہش ہے۔" شاکر نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر وکیل صاحب کو فون کر دیں کہ وصیت نامہ لے کر یہاں
پہنچ جائیں، کیونکہ ہم کم از کم ایک نتیجے پر ضرور پہنچ چکے ہیں۔"
محمود نے پراسرار انداز میں کہا۔

"کس نتیجے پر؟" ڈاکٹر فاخر نے بھنویں اچکائیں۔

"اس پر کہ..... جاوید اقبال کے علاوہ آپ سب میں سے
کوئی ایک بیگم صاحبہ کا قاتل ہے!"

"نہیں!" وہ خوف زدہ انداز میں چیخے۔

سائے کا رخ

"یا خدا! تو کیا یہ سچ ہے کہ ہم میں سے ایک قاتل ہے۔"
کتنے ہی لمحے گزرنے کے بعد فاخر نے کہا۔

"ہاں! اور ہم اس بات کو ثابت کر کے دکھا دیں گے۔"
محمود بولا۔

"تو ٹھیک ہے، میں وکیل کو فون کرتا ہوں، ہم میں سے
ہر ایک جلد از جلد یہ جاننا پسند کرے گا کہ قاتل کون ہے،
اگر نہیں پسند کرے گا تو قاتل۔" باقر نے کہا اور فون کرنے
کی غرض سے کمرے سے چلا گیا۔

"ہم لوگ بھی وکیل کے آنے تک اپنے کمرے میں چلے
جاتے ہیں، جونہی وہ آئیں، ہمیں بلا لیں۔"
محمود نے کہا اور تینوں اپنے کمرے میں آ گئے۔

"مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے، جیسے کوئی بہت ہی چالاک شخص قاتل
ہے، اس نے نہایت صفائی سے یہ کوشش کی ہے کہ اس کی بجائے
جاوید اقبال کو گرفتار کر لیا جائے اور اسے ہمیشہ کے لیے پاگل خانے

میں بھیج دیا جائے، اب سوال یہ ہے کہ قاتل کا مقصد کیا ہے، یہ
جرم کر کے وہ کیا فائدہ اٹھانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔" محمود
کہتا چلا گیا۔

"اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ بیگم خان ہمیں لاکٹ
کی کہانی سناتے سناتے رہ گئیں، انہوں نے صرف اتنا بتایا
کہ یہ بیس اکیس سال پہلے کی بات ہے، ان دنوں ان سے
کوئی بہت بڑا یا بہت غلط کام ہوا تھا، ان سے کیا غلطی ہوئی
تھی، لاکٹ کے بارے میں وہ کیا بتانے والی تھیں، اب یہ ہمیں
کون بتائے گا۔" فرزانہ بولی۔

"ان کے علاوہ ایک اور شخص اس کہانی سے واقف ہے،
وہی ہمیں بتائے گا، یعنی قاتل۔" فاروق نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ اگر اس قتل کا کوئی تعلق لاکٹ سے
ہے، یا لاکٹ کا کسی طرح اس قتل سے کچھ تعلق ہے تو قاتل
ضرور اس تعلق سے باخبر ہے اور ہم اسی سے معلوم کریں گے:
فرزانہ بولی۔

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہم قاتل تک کس طرح پہنچیں۔"

"اس سوال کا جواب ابھی نہیں دیا جا سکتا، پہلے ہم وصیت
سنیں گے اور اس کے بعد یہ دیکھیں گے کہ بیگم خان کی موت
سے کسے سب سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے، دوسرا پہلو یہ سوچیں

گے کہ بیگم خان سے اس گھر کے افراد کو کوئی دشمنی تو نہیں، کسی
کو ان کی ذات سے کوئی صدمہ تو نہیں پہنچا۔" محمود نے جواب میں کہا۔

اس وقت خادم جمن نے آکر بتایا کہ الیاس بیگ آ گئے
ہیں۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ڈرائنگ روم میں پہنچے، یہاں
سب موجود تھے اور سب کے درمیان الیاس بیگ بھی۔

الیاس بیگ ایک پتلا دبلا اور چھوٹے سے قد کا آدمی تھا،
لیکن اس کی تیزی سے حرکت کرنے والی آنکھوں سے ذہانت
ٹپکتی تھی۔

"یہ تینوں انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں، ہماری والدہ نے ان
سے مدد کی درخواست کی تو انہوں نے ان تینوں کو بھیج دیا، وہ
خود مصروف ہیں۔ اب آپ کو یہاں انہی کی خواہش پر بلایا گیا
ہے۔" شاکر نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"جب سے یہ سنا ہے کہ بیگم صاحبہ انتقال کر گئی ہیں، اپنے
کانوں پر یقین نہیں آ رہا، اس مہربان ہستی کو بھی کوئی قتل کر سکتا
ہے۔ اُف توبہ! یہ کیسی دنیا ہے۔" الیاس بیگ نے سرد آہ بھری۔

"یہ بہت عجیب دنیا ہے بیگ صاحب، اس دنیا کے لوگ
بھی حد درجے عجیب ہیں، ہم سوچ بھی نہیں سکتے جو اسی
دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں! آپ نے ٹھیک کہا، خیر تو کیا اب ہی آپ کو

وصیت نامہ سناؤں ۔"

"جی ہاں! کیونکہ اس کے بغیر یہ سوچا ہی نہیں جا سکتا کہ بیگم صاحبہ کی موت سے کسے فائدہ پہنچتا ہے اور کسے نقصان ۔" فرزانہ بولی۔

"بہت بہتر!" الیاس بیگ نے کہا اور اپنے بیگ میں سے کاغذات نکالنے لگا۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی اور خادم حسین دروازے پر دیکھنے چلا گیا، جلد ہی وہ انسپکٹر طغیانی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"میں سب انتظامات کر آیا ہوں، یہ سوچ کر واپس آ گیا کہ آپ لوگوں کے بیانات ہی لے لوں گا۔" اس نے کہا۔

"آپ نے بہت اچھا کیا، ہم اس وقت والدہ صاحبہ کا وصیت نامہ سننے والے ہیں ۔"

"بہت خوب! میں بھی یہی مشورہ دینے والا تھا۔" انسپکٹر طغیانی نے کہا۔

"تو پھر سنیے۔ بیگم صاحبہ کی وصیت کے الفاظ یہ ہیں...

.... میں ہوش و حواس کی حالت میں یہ وصیت نامہ اپنے وکیل صاحب کو لکھوا رہی ہوں، اسے صرف میری موت کے بعد کھولا جائے گا اور اس پر لفظ بہ لفظ عمل کیا جائے گا، میرے گھر کے کسی فرد کو اگر اس کے کسی لفظ سے بھی اختلاف ہو تو

اسے اس کے حصے سے محروم کر دیا جائے گا۔ میری تمام جائداد کو جو زمینوں، نقدی، ہیرے، جواہرات اور سونے کے زیورات پر مشتمل ہے اور یہ محل بھی اس میں شامل ہے، فوری طور پر انسپکٹر جمشید کے قبضے میں دے دیا جائے گا، وہ اسے خود میرے بیٹوں اور دوسرے افراد میں میری وصیت کے مطابق تقسیم کریں گے۔ کل جائداد کا چوتھا حصہ خود ان کا ہوگا، کیونکہ یہ میرے مرحوم شوہر کی وصیت تھی۔ بقیہ تین چوتھائی کے چھ برابر حصے کیے جائیں گے، ان میں سے ایک ایک حصہ میرے تینوں بیٹوں، فاخرہ اور بھائی جاوید اقبال کو ملے گا، باقی بچ رہنے والا ایک حصہ محفوظ رکھا جائے گا، میری ایک بیٹی بچپن میں مجھ سے بچھڑ گئی تھی، اگر کبھی وہ واپس آ جائے تو وہ حصہ اس کا ہوگا، نشانی کے طور پر اس کے پاس میری کچھ چیزیں ہوں گی، جن میں سے ایک لاکٹ ہے جس پر ہیرے جڑے ہوئے ہیں...."

"کیا!!!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اوہ! ارے! ہا ہیں۔" انسپکٹر طغیانی چلا اٹھا۔ وکیل کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے، وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا، کیونکہ اسے لاکٹ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

چند لمحے تک حیرت کا یہ عالم طاری رہا۔ آخر باقر نے کہا۔

"ہاں تو وکیل صاحب، وصیت یہیں تک ہے یا آگے بھی کچھ ہے۔"

"ابھی آگے بھی ہے، نیچے انہوں نے ایک نوٹ لکھوایا تھا، نوٹ یہ ہے کہ جائداد کے حصے کرنے سے پہلے بیس ہزار کی رقم الگ کر لی جائے اور یہ بیس ہزار دونوں ملازموں میں تقسیم کر دیے جائیں۔" یہ کہہ کر وکیل خاموش ہو گیا۔

"بس!" شاکر نے کہا۔

"جی ہاں! کل یہی وصیت ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، اس ایک لاکٹ کے علاوہ کسی چیز کا ذکر نہیں کہ وہ بچی کیا کیا چیزیں نشانی کے طور پر دکھا سکتی ہے۔" محمود نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"نہیں!"

"تب پھر ہمیں بیگم صاحبہ کے بیس اکیس سال پہلے کے کاغذ دیکھنے ہوں گے، شاکر صاحب کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟"

"جی ہاں کیوں نہیں۔"

انہوں نے وکیل کو رخصت کیا اور شاکر کے ساتھ ایک دور دراز کے کمرے میں آئے، اس کے دروازے پر تالا لگا تھا۔

تالے پر گرد بھی جمی تھی، شاید اسے مدتوں سے نہیں کھولا گیا تھا۔ شاکر نے چابیوں کے گچھے میں سے ایک چابی لگائی، شاکر کے علاوہ ان کے ساتھ کوئی اور نہیں آیا تھا۔ تالا تھوڑی سی زور آزمائی کے بعد کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ کمرے کے فرش پر گرد کی تہہ جمی تھی، اس میں تین الماریوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ان الماریوں پر بھی چھوٹے تالے لگے تھے۔ شاکر نے اسی گچھے کی ایک چابی سے ایک الماری کا تالا کھولا۔ اس میں مختلف قسم کی کتابیں بھری پڑی تھیں۔ دوسری الماری میں پرانی فائلیں تھیں، تیسری میں انہیں مختلف خانے بنے نظر آئے۔ ان خانوں میں سے ایک میں کچھ کاغذات نہایت احتیاط سے مومی لفافے میں رکھے تھے۔

"میری والدہ نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ اگر میرے مرنے کے بعد کوئی الجھن پیش آئے تو ان تین الماریوں میں سے ایک میں الجھن کا حل مل جائے گا، اور شاید وہ حل انہی کاغذات میں ہے۔"

"شاید ایسا ہی ہو، تاہم اگر ان کاغذات سے مطلب حل نہ ہوا تو ہم باقی دونوں الماریوں کی تمام چیزوں کا بغور جائزہ لیں گے۔"

مومی لفافے میں سے کاغذات نکالے گئے۔ ان میں ایک

چھوٹی سی ڈائری بھی تھی۔ دوسرے کاغذات جائیداد کی ملکیت کے تھے۔

"ہمارے خیال میں ہمیں صرف اس ڈائری کی ضرورت ہے۔" محمود نے بے تابی کے عالم میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ لوگ اسے پڑھ کر دیکھ لیں، میں بعد میں آپ سے پوچھ لوں گا، یا ڈائری پڑھ لوں گا۔" شاکر نے کہا۔

چاروں کمرے سے نکل آئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ دروازہ اندر سے بند کر کے انہوں نے ڈائری کی ورق گردانی شروع کی۔ انہیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ڈائری اکیس سال پہلے کی تھی۔ پہلے دو صفحے خالی تھے، تیسرے صفحے پر انہیں لکھا نظر آیا.... اپنے شوہر کی وفات کے بعد اب ننھی شاہینہ ہی میری زندگی کا سہارا ہے، لیکن خان وجاہت خان ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں جس کی پہلے شادی نہ ہوئی ہو، اس لیے اب میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں یہ بچی اپنی بہن کے حوالے کر دوں۔ میری بہن کے کوئی اولاد نہیں، وہ اسے بڑی خوشی سے پال لے گی اور میں بھی اس سے چوری چھپے ملتی رہا کروں گی، خان وجاہت خان جیسا رشتہ......

کسی کو خوابوں میں بھی نہیں ملتا، میں اس موقعے کو ہاتھ سے جانے نہیں دوں گی۔

اس صفحے پر یہی الفاظ تھے۔ تین چار صفحوں کے بعد پھر یہ الفاظ لکھے نظر آئے.... میں نے بچی اپنی بہن کے حوالے کر دی ہے، اس کے خاوند نے بچی کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی، مگر میری بہن نے بہت خوشی سے اس کو پالنا منظور کر لیا ہے، اب میں مطمئن ہوں اور بے فکر ہو کر خان وجاہت مرزا سے یہ بتا سکتی ہوں کہ میری ابھی شادی نہیں ہوئی، اپنی بیٹی کو میں نے اپنا ایک لاکٹ، ایک انگوٹھی اور ایک فریم شدہ تصویر دی ہے، تاکہ اگر ہم بچھڑ جائیں تو پھر بھی اس سے ملنے کی کوئی امید باقی رہے..... ایک نشانی یہ ہے کہ اس کے بائیں کندھے پر سیاہ رنگ کا ابھرا ہوا تل ہے۔ اس کے بعد بھی ڈائری میں کئی صفحے لکھے ہوئے نظر آئے، ان میں اکثر جگہوں پر بس یہی لکھا تھا، آج میں اپنی بیٹی سے ملی، وہ ابھی بہت ننھی سی ہے، اسے کیا پتا کہ میری بہن اس کی ماں نہیں ہے، اب تو وہ اسے ہی ماں سمجھتی ہے۔ آخری صفحے تک پڑھ لینے کے بعد محمود نے ڈائری بند کر دی۔

"تو یہ تھا وہ جرم جو بیگم خان نے کیا، ان کی شادی ہو چکی تھی، لیکن خاوند فوت ہو گیا، اس وقت ان کی صرف

ایک ننھی سی بچی تھی۔ ان دنوں انہیں معلوم ہوا ہو گا کہ
خان وجاہت خان شادی کرنا چاہتے ہیں، لیکن کسی غیر شادی
شدہ سے، چنانچہ انہوں نے اپنی بچی اپنی بہن کے حوالے کر
دی اور خان وجاہت خان سے شادی کے لیے کوشش کر
ڈالی، اتفاق سے یہ شادی ہو گئی اور اس کے بعد وہ اپنی
بچی کے لیے تڑپتی رہیں، سوال یہ ہے کہ کیوں تڑپتی رہیں،
انہوں نے اپنی بہن کے گھر کیوں جانا چھوڑ دیا۔"

"اب یہ تو ان کی بہن ہی بتائے گی، ہمیں ان کی بہن
کو تلاش کرنا ہو گا۔" فرزانہ بولی۔

"پورے گھر میں اگر کوئی ہم سے تعاون کر رہا ہے تو وہ
ہیں شاکر صاحب، ہم یہ مسئلہ بھی ان کے سامنے ہی رکھیں
گے، لیکن یہاں ایک اور بات سامنے آتی ہے، یعنی بیگم
خان نے جو لاکٹ اپنی بیٹی کو دیا تھا، وہ تو اسی گھر میں
پایا گیا ہے..... آخر وہ یہاں کس طرح پہنچ گیا۔"

"یہ سب باتیں ہمیں معلوم کرنی ہیں۔ فی الحال ہم شاکر
صاحب سے چل کر ان کی کسی خالہ کا نام پتا پوچھتے ہیں۔"
محمود نے کہا اور تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ پہلے انہوں نے شاکر
کو ڈائری پڑھنے کے لیے دی۔ جوں جوں وہ ڈائری پڑھتا گیا،
اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آخر کار ڈائری بند کر کے

وہ انہیں تکنے لگا۔

"کیا آپ کو اپنی کسی خالہ کا نام معلوم ہے۔"

"امی جان اکثر ایک خالہ کا ذکر کیا کرتی تھیں، لیکن وہ
کہا کرتی تھیں کہ وہ اچانک ہی اپنے خاوند کے ساتھ کہیں
چلی گئیں اور جاتے ہوئے اپنے بارے میں کوئی اطلاع بھی
نہیں دے گئیں، شاید وہ اسی خالہ کا ذکر کرتی تھیں۔" اس
نے کہا۔

"ہاں! لیکن آپ کو شہر اور محلے کا نام تو انہوں نے
بتایا ہو گا۔" محمود بولا۔

"نہیں! کچھ بھی نہیں معلوم۔"

"خیر! ہم معلوم کر لیں گے۔" فاروق بولا۔

"آپ لوگ کس طرح معلوم کر لیں گے۔"

"ہم یہی کام کرتے ہیں دن رات، آپ فکر نہ کریں۔"

"لیکن امی جان کے قتل کا اس بچی سے کیا تعلق۔" شاکر نے
پریشان ہو کر کہا۔

"بہت گہرا تعلق ہے، آخر وہ لاکٹ یہاں کس طرح پہنچ
گیا۔" فرزانہ بولی۔

"اوہ! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"
شاکر سے مایوس ہو کر انہوں نے یہی بات باقر اور فاخر

سے بھی معلوم کرنے کی کوشش کی، لیکن انہیں بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ آخر تھک ہار کر وہ واپس اپنے کمرے میں آئے۔

"معلوم ہوتا ہے، یہ کیس ہمیں ناکوں چنے چبائے گا۔" محمود نے کہا۔

"ناکوں چنے چبائے، یا ہمیں لوہے کے چنے چبانے پڑیں، بہرحال کیس حل کرنا ہوگا، کیونکہ یہ ہماری عزت کا مسئلہ ہے" فاروق بولا۔

"تو ہم ابا جان کو کیوں نہ بلالیں۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"یہ اور بھی بے عزتی کی بات ہوگی۔" محمود نے کہا۔

"خیر! اب کیا سوچا ہے؟"

"پہلے کچھ کھائیں پئیں گے اور پھر سب کے سونے کا انتظار کریں گے۔" محمود نے پروگرام بنایا۔

"یہ ہمیں سب کے سونے کا انتظار کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی، کیا اس کے بغیر ہمیں نیند نہیں آئے گی۔" فاروق نے شریر انداز میں کہا۔

"شکر ہے، تمہاری زبان نے بھی کوئی کروٹ لی، ورنہ میں تو سمجھی تھی، قصبہ خان میں آکر تمہاری زبان ہی گنگ ہوگئی ہے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"اگر میری زبان چل پڑتی ہے تو بھی تمہیں برا لگتا ہے، ناراض ہو جاتی ہے تو بھی تم سے رہا نہیں جاتا، آخر میں کروں تو کیا؟" فاروق نے بوڑھیوں کے انداز میں جھلا کر کہا۔

"صرف اتنا کرو کہ موقع محل دیکھ کر بات کیا کرو۔" محمود نے ترکیب بتائی۔

"محل تو خیر یہاں آسانی سے دیکھ سکتا ہوں، اب یہ بتاؤ کہ موقع کہاں دیکھوں؟"

"موقع رات کے وقت دیکھنا۔" محمود مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" فاروق چونکا۔

"سب کو سو جانے دو، پھر بتاؤں گا۔" محمود نے پراسرار لہجے میں کہا۔

"یا خدا رحم، یہ رات کی مہمات مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"دونوں آنکھوں سے دیکھ لیا کرو۔" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

آخر ٹھیک گیارہ بجے محمود انہیں لے کر اپنے کمرے سے نکلا۔ پورے محل پر موت کا سناٹا طاری تھا۔ شاید یہ سب لوگ گہری نیند میں ڈوب چکے تھے۔

"اب تم تک نے یہ نہیں بتایا کہ ہمیں کرنا کیا ہے؟"

"ہم ایک ایک کمرے کی تلاشی لیں گے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن یہ کام رات کی تاریکی میں کس طرح ممکن ہے جبکہ کمروں میں وہ سب بھی سو رہے ہیں۔" فاروق نے جھنجلا کر کہا۔

"ہم پنسل ٹارچوں سے کام لیں گے۔" محمود بولا۔

"لیکن کمرے سے نکلنے سے پہلے تم نے کب کہا ہے کہ پنسل ٹارچیں ساتھ لے لیں۔"

"میں تینوں ٹارچیں ساتھ لے آیا ہوں، لہذا کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

"بھئی واہ! تم تو دن بدن عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"بھئی ذرا دبی آواز میں باتیں کرو، ہمیں ہر ممکن احتیاط کرنی ہے۔"

اچانک ایک دروازے کی چرچراہٹ نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس وقت وہ جس جگہ کھڑے تھے، وہاں مکمل تاریکی تھی۔ برآمدے میں جلنے والا زیرو کا بلب بھی آج کسی نے بجھا دیا تھا۔ کمرے سے نکلنے کے بعد ابھی وہ پنسل ٹارچ روشن بھی نہیں کرنے پائے تھے کہ چرچراہٹ کی آواز نے انہیں ساکت کر دیا۔

گہری نیند میں بھی انہوں نے ایک کمرے میں سے ایک

سائے کو نکلتے دیکھ لیا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے سایہ ایک سمت میں چلنے لگا۔ وہ دم بخود سے اس کے پیچھے چلنے لگے۔ ان کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بہت جلد وہ کوئی خاص بات معلوم کرنے والے ہیں۔ اچانک وہ زور سے چونکے۔ سائے کا رخ شمال کی طرف تھا۔

اوہ ارے ہائیں!

تینوں اس وقت صرف ایک بات سوچ رہے تھے، یہ سایہ کون ہے اور شمالی کمرے کی طرف کیوں جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کے پیچھے قدم اٹھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ سایہ شمالی کمرے میں داخل ہو گیا۔ اب تو ان کی حیرت میں اور اضافہ ہو گیا، کیوں کہ انہیں یہ بات معلوم تھی کہ شمالی کمرے میں کوئی چیز نہیں ہے، وہ بالکل خالی پڑا ہے۔ کھلے دروازے میں سے انہوں نے اندر جھانک کر دیکھا، تاریکی میں انہوں نے سامنے والی کھڑکی کھلے دیکھی اور پھر سائے نے کھڑکی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔

"جلدی کرو، کہیں وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے" محمود نے گھبرائی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

تینوں تیزی سے کمرے میں داخل ہوئے اور کھڑکی کی طرف لپکے۔ باہر تاروں بھرے آسمان کے نیچے انہوں نے سائے کو جنگل کے ساتھ ساتھ ایک سمت میں جاتے دیکھا۔

وہ جنگل میں داخل نہیں ہوا تھا۔ یہ وہی راستہ تھا جس پر چلتے ہوئے انہوں نے ایک راہگیر سے بات کی تھی۔

"ہمیں یا تو کچھ دیر انتظار کر لینا چاہیے، یا پھر اتنی آہستگی سے نیچے پہنچنا چاہیے کہ دھمک پیدا نہ ہو۔" محمود نے کہا۔

"ترکیب تم بتا دو، پہنچ ہم جائیں گے۔" فاروق بولا۔

"ترکیب بہت آسان ہے، پہلے میں نیچے لٹک جاتا ہوں، اس کے بعد تم اپنی ٹانگیں نیچے لٹکا دینا۔ میں تمہاری ٹانگ پکڑ کر کچھ اور نیچے ہو جاؤں گا، شاید زمین سے پاؤں لگ جائیں، نہ لگے تب بھی میں تمہاری ٹانگ چھوڑ دوں گا تو آواز بہت ہی ہلکی پیدا ہوگی۔" محمود نے ترکیب بتائی۔

"ترکیب واقعی زوردار ہے، لیکن یہ تم نے کیسے بتا دی، آج فرزانہ کو کیا ہوا ہے؟" فاروق نے فرزانہ پر چوٹ کی۔

"میری عقل پر تمہارا سایہ پڑ گیا ہے۔" فرزانہ نے بھی فوراً جواب دیا۔

"خدا کا شکر ہے، سایہ ہی پڑا ہے، اگر کہیں میں نے خود تمہاری عقل پر ہاتھ صاف کر دیا ہوتا تو اس وقت تم بالکل کوری ہو چکی ہوتیں۔" فاروق بھی کہاں رکنے والا تھا۔

"فاروق! یہ تم موقع محل دیکھ رہے ہو۔" محمود نے جل کر کہا۔

"محل تو پہلے دیکھ چکا ہوں، اس وقت صرف موقع دیکھ

کر بات کر رہا ہوں۔"

"خدا کے لیے اپنی زبان کو پکڑو۔ کہیں یہ بے لگام نہ ہو جائے، یہ وقت بالکل مناسب نہیں۔"

"اچھا! اب میں مناسب وقت کا انتظار کروں گا، امید ہے جلد ہی آ جائے گا۔" فاروق نے معصومانہ لہجے میں کہا۔

"خدا کا شکر ہے، جس نے فاروق کو عقل دی۔"

"اور تمہاری عقل پہ میرا سایہ ڈال دیا۔" فاروق تڑ سے بولا۔

"ابھی ابھی تم نے کیا وعدہ کیا ہے،" محمود نے تنک کر کہا۔

"اوہ! مجھے افسوس ہے، خیال نہیں رہا تھا، اب پورا پورا خیال رکھوں گا اور جب تک یہ ......" اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت ایک اور سایہ درختوں کی اوٹ سے نکل کر پہلے سائے کے سامنے آ گیا تھا۔ پہلا سایہ رک گیا۔ انہوں نے دوسرے سائے کو کہتے سنا:

"میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا، جلدی بتاؤ، کیا خبر ہے؟"

جواب میں دوسرے سائے نے دبی آواز میں کچھ کہا یا نہیں، وہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکے، کیونکہ انہوں نے اس کی آواز نہیں سنی، شاید وہ بہت ہی آہستہ آواز میں بات کر رہا تھا۔ دوبارہ انہوں نے دوسرے سائے کی آواز بھی نہ سنی، شاید پہلے نے اسے

بھی خبردار کر دیا تھا۔ کئی منٹ گزر گئے، وہ اسی طرح کھسر پھسر کرتے رہے:

"ان کی میٹنگ آخر کب ختم ہوگی۔" فاروق نے دبی آواز میں کہا، لیکن یہ دبی آواز دونوں سایوں تک پہنچ گئی، انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے سائے نے پہلے کا بازو پکڑا اور اسے درختوں کے درمیان کھینچ لیا۔ اب وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

"جب بولو گے۔ موقع محل دیکھے بغیر بولو گے، وعدہ کرنے پہ بھی باز نہیں آتے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"یقین کرو بھائی، اس وقت بالکل سوچے سمجھے بغیر زبان چل گئی تھی۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اور اس سے پہلے تو جیسے سوچ سمجھ کر چلتی ہے۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"اب دونوں کے دونوں کاٹ کھانے کو تو نہ دوڑو، کہیں میں ان کی تلاش میں جنگل میں نہ گھس جاؤں۔" فاروق نے بھی غصے میں آ کر کہا۔

"میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا، کیونکہ جنگل ہمارا دیکھا بھالا نہیں ہے، ہمارے پاس اس وقت کوئی پستول وغیرہ بھی نہیں ہے، کہیں وہ دونوں ہم پر حملہ نہ کر دیں۔" محمود نے کہا۔

"بالکل ٹھیک! میں محمود کی تائید کرتی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"مجھ سے تو تمہیں خدا واسطے کا بیر ہے، میری تائید تو تم قیامت
تک نہیں کر سکتیں۔"

"چلو اگر بہت مجبور کرتے ہو تو قیامت کے نزدیک تائید کر
دوں گی۔" فرزانہ نے گویا حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

"اب یہاں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں، محل میں بھی ہماری
موجودگی بہت ضروری ہے۔" محمود بولا۔

"اچھا! پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔" فاروق جلدی سے بولا۔

یہ باتیں انہوں نے سرگوشی میں کی تھیں۔ آخر تینوں واپس چل پڑے۔
کھڑکی زیادہ اونچی نہیں تھی، اس لیے اس کے ذریعے واپس محل کے
اندر پہنچنا مشکل ثابت نہیں ہوا۔

"چلو فاروق! سوئچ کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔"

"کیوں! کیا پروگرام ہے۔"

"جونہی وہ واپس آئے، بتی جلا دینا۔"

"تمہارا خیال ہے، وہ سایہ واپس آئے گا۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں! اگر وہ واپس نہیں آئے گا تو صبح کس طرح سب لوگوں
میں شامل ہو سکے گا اور اس موقعے پر گھر کے کسی فرد کا غائب ہونا اس
کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔"

"ترکیب تو بہت شاندار ہے، یعنی جونہی وہ کھڑکی پھلانگ کر اندر
آئے گا، ہم بتی جلا دیں گے، اس وقت اس کی بوکھلاہٹ تو دیکھنے

کے قابل ہوگی ہی، ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے
اور اس طرح ہم شاید بہت جلد یہ کیس حل کر لیں گے۔"

"اس موقعے پر ایک اور بات میرے ذہن میں آئی ہے، کیوں نہ
ہم صبح سارے واقعات فون پر ابا جان کو سنا دیں، ان سے کوئی
مشورہ بھی مل جائے گا۔" محمود نے کہا۔

"لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم یہ کیس مکمل طور پر خود حل کریں۔
اس میں کسی کی مدد نہ لیں۔" فاروق نے کہا۔

"میں بھی یہی چاہتی ہوں۔" فرزانہ نے اس کا ساتھ دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، لیکن ہمیں بیگم خان کے قتل کی اطلاع تو
انہیں دے دینی چاہیے۔" محمود بولا۔

"یہ اطلاع انہیں اخبارات کے ذریعے ہو جائے گی۔"

"ہوں! ٹھیک ہے، تم دونوں جیتے اور میں....." محمود
کہتے کہتے رک گیا۔

"اور میں کیا.... کیا تم ابھی ہارے نہیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"یار فاروق..... ذرا جلدی سے صدر دروازے کو تو دیکھ آؤ،
وہ اندر سے بند تو ہے۔"

"میں بھی یہی کہنے والی تھی۔" فرزانہ بولی۔

"تو پھر کہا کیوں نہیں۔" فاروق نے جھلا کر کہا اور کمرے سے باہر
کی طرف جانے لگا۔

"بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ تم دروازے کے آس پاس ہی موجود رہنا، کیا خبر کوئی اس سائے کے لیے دروازہ کھولنے کے لیے تیار بیٹھا ہو اور ہم یہاں سوکھتے رہیں۔"

"بہت اچھا، لیکن اگر وہ اس طرف سے اندر داخل ہو جائے تو مجھے اطلاع ضرور دے دینا، یہ نہ ہو، میں ادھر سوکھتا رہ جاؤں۔" فاروق نے پیر پٹختے ہوئے کہا۔

"بے فکر رہو، تمہارا سوکھا ہوا جسم دیکھنے کا ہمیں کوئی شوق نہیں۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ میں بعد میں پوچھوں گا کہ تمہیں کس کس چیز کے دیکھنے کا شوق ہے۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

رات کا باقی حصہ انہوں نے اسی طرح گزار دیا، لیکن سایا واپس نہ آیا، نہ صدر دروازے سے اور نہ کھڑکی کے راستے سے۔ یہاں تک کہ دن نکل آیا اور ان کی حیرت میں حد درجہ اضافہ ہو گیا، کیونکہ اس کے واپس نہ آنے کی صورت میں بھی یہ بات فوری طور پہ معلوم ہو سکتی تھی کہ وہ کون ہے، انہوں نے کھڑکی اندر سے بند کر دی اور صدر دروازے کی طرف آئے۔ یہاں فاروق کا برا حال تھا۔

"آج تو میں خود کو واقعی سوکھا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"ہمارا بھی یہی حال ہے، لیکن تمہیں ابھی تھوڑی دیر اور یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔"

"وہ کیوں! اب کیا کام باقی رہ گیا ہے۔" فاروق نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہم یہ دیکھ لیں کہ گھر کا کونسا فرد کم ہے۔ اگر دروازہ کھل گیا اور اس کے ذریعے کوئی اندر آ گیا تو پھر ہم کوئی اندازہ نہیں لگا سکیں گے اور ساری رات کی محنت ضائع جائے گی، لیکن اگر تم دروازے پر موجود رہے ....."

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، تم جاؤ اور جلد از جلد کام مکمل کر کے مجھے چھٹی دو۔" فاروق نے کہا۔

دونوں نے پورے گھر کا ایک چکر لگایا، ایک ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر تھوڑی دیر بعد واپس فاروق کے پاس آئے، صدر دروازہ ابھی تک بند تھا، دونوں ملازموں میں سے کوئی اسے کھولنے نہیں آیا تھا۔

"کیوں ..... کیا رہا، کون غائب ہے؟"

"عجیب بات ہے۔" محمود نے فکر مند ہو کر کہا۔

"کیا عجیب بات ہے، جلدی بتاؤ، کیونکہ اب میں مزید یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"عجیب بلکہ عجیب ترین بات یہ ہے کہ گھر کا کوئی آدمی بھی غائب نہیں ہے۔"

"اوہ! ارے! ہائیں۔" فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں انسپکٹر طغیانی کی نقل اتاری۔

○

وہ ناشتے کی میز پر پہنچے ہی تھے کہ انسپکٹر طغیانی آ پہنچا۔ اس نے آتے ہی سب کے سامنے کہا:

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آ گئی ہے اور اس کی کہانی عجیب کہانی ہے۔"

"کیا مطلب؟" محمود چونکا۔

"بیگم صاحبہ کی موت پھندے سے نہیں ہوئی، بلکہ ہاتھوں کے ذریعے گلا گھونٹنے سے واقع ہوئی ہے۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے، پہلے ان کا گلا ہاتھوں سے گھونٹا گیا، اس کے بعد گلے میں پھندا ڈال کر کس دیا گیا، لیکن اس کی کیا ضرورت تھی۔" فاخرہ نے حیران ہو کر کہا۔ شاید اس نے پہلی بار خیال ظاہر کیا تھا۔

"میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جب جاوید اقبال صاحب نے ان کے گلے میں پھندا ڈالا، اس وقت وہ پہلے ہی ہلاک کی جا چکی تھیں، لیکن یہ بات جاوید اقبال صاحب کو معلوم نہیں تھی، چنانچہ انہوں نے یہی خیال کیا کہ قتل انہوں نے کیا ہے، اس سلسلے میں میں نے ان سے سوالات کیے ہیں، ان کا بیان ہے کہ گلے میں پھندا ڈالنے

سے پہلے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے گلا ہرگز نہیں گھونٹا۔ ظاہر ہے، جو شخص خود جرم کا اقرار کرتا ہے، وہ کوئی بات کیوں چھپانے لگا۔ اگر انہوں نے ہاتھوں سے بھی گلا گھونٹا ہوتا تو فوراً اقرار کر لیتے، لہٰذا میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قتل انہوں نے نہیں کیا۔"

"بالکل ٹھیک! قاتل نے تو دراصل انہیں پھنسانے کیلیے ان کے پاگل پن سے فائدہ اٹھایا ہے، اس نے بیگم صاحبہ کا گلا گھونٹ کر پھندا جاوید اقبال صاحب کے سرہانے رکھ دیا تاکہ الزام ان پر آئے اور ان کی زنجیر بھی قالین پر گرا دی، دوسری طرف جاوید اقبال صاحب کی ذہنی رو بہکی ہوئی تھی۔ اس رو میں انہوں نے پھندا اٹھایا اور اپنی بہن کے کمرے میں پہنچ گئے اور پھندا ان کے گلے میں ڈال دیا، بس انہوں نے سمجھ لیا کہ قتل انہوں نے کیا ہے۔" محمود بولا:

"تب پھر آخر وہ کون ہے، جس نے یہ بھیانک جرم کیا ہے؟" شاکر نے بے چین ہو کر کہا۔

"یہ ہمیں معلوم کرنا ہے اور ہم انشاء اللہ بہت جلد معلوم کر لیں گے۔" محمود نے کہا۔ پھر وہ انسپکٹر طغیانی کی طرف مڑا:

"انسپکٹر صاحب! اگر آپ ہمیں کسی طرح یہ معلوم کر دیں کہ بیگم صاحبہ کے ماں باپ کا گھر کہاں ہے یا تھا تو ہم فوری طور پر قاتل کو آپ کے حوالے کر سکتے ہیں۔"

"کیا اس کیس کا تعلق اس گھر سے جا ملتا ہے۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! ہم ایک ڈائری تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، اس ڈائری کی رو سے بیگم صاحبہ کی ان تین بیٹوں کے علاوہ ایک اور بچی بھی اور وہ ان کے پہلے شوہر سے تھی۔ اس بچی کو انہوں نے خان وجاہت خان سے شادی کرنے کے لیے اپنی بہن کو دے دیا تھا، اب اس بچی کا کوئی سراغ نہیں مل رہا کہ وہ کہاں ہے، کس حال میں ہے یا اس کی خالہ اب کہاں رہتی ہے.... آپ کو جو لاکٹ ملا تھا، دراصل وہ بیگم صاحبہ کا ہی تھا، لیکن وہ اور کچھ دوسری چیزیں انہوں نے اپنی بچی کے ساتھ کر دی تھیں، لہٰذا اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ بچی کہاں ہے اور لاکٹ اس محل میں کس طرح پہنچا۔"

"واقعی! یہ تو بہت ضروری ہے۔" انسپکٹر طغیانی نے کہا۔

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ لاکٹ وہ نہ ہو۔"

"لاکٹ سو فیصد وہی ہے، کیونکہ اس کے بارے میں جب ہم نے مقتولہ سے پوچھا تھا تو وہ اکیس سال پہلے کی کہانی سنانے لگی تھیں، کہانی انہوں نے شروع کی ہی تھی کہ عین اس وقت رفیق مرزا ایک نئی اطلاع لے کر آ گیا، ہم اس اطلاع کی تصدیق کرنے کے لیے گئے، واپس آئے تو بیگم صاحبہ قتل کی جا چکی تھیں۔ بعد

میں ان کی ڈائری سے وہ کہانی معلوم ہوئی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لاکٹ وہی تھا۔"

"تب تو ٹھیک ہے، ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ان کی بہن کہاں رہتی ہے۔ میں ابھی اس سلسلے میں بھاگ دوڑ کرتا ہوں۔" انسپکٹر طغیانی نے کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔

"ہم بھی اس سلسلے میں کوشش کریں گے۔" محمود بولا۔

تینوں ناشتے کے بعد گھر سے نکلے، اور آبادی کی طرف چلنے لگے۔

"کیس ہر لمحے الجھتا ہی جا رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! لیکن تفتیش کا راستہ بند نہیں ہے، ہم آگے بھی بڑھ رہے ہیں۔" محمود نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن اگر ہمیں بیگم خان کی بہن کا پتا نہ چل سکا تو ہم کیا کریں گے۔"

"کچھ نہ کچھ تو ضرور کریں گے..... ویسے میرا خیال ہے، گاؤں کے کسی بڑے بوڑھے سے بیگم خان کے ماں باپ کا پتا چل جائے گا، ظاہر ہے خان وجاہت خان کی بارات وہاں گئی ہو گی اور ایک بار ہم وہاں پہنچ گئے تو ان سے ان کی دوسری بیٹی کے گھر کا پتا چل جائے گا۔"

گاؤں کے ایک بڑے بوڑھے کو تلاش کرنے میں انہیں کوئی دقت نہ ہوئی اور اس نے بھی فوراً ہی بیگم خان کے گھر کا پتا

بتا دیا، کیونکہ شادی میں اس نے بھی شرکت کی تھی۔ یہ پتا ایک دوسرے قصبے کا تھا، انہوں نے ایک ٹانگا کیا اور اس گاؤں میں پہنچے، یہاں بیگم خان کے ماں باپ کا گھر تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ دستک دینے پر ایک ادھیڑ عمر کے آدمی نے دروازہ کھولا۔

"جی فرمایئے!"

"بیگم خان کے ماں باپ کا گھر یہی ہے؟"

"جی..... جی یہی ہے۔" اس نے حیران ہو کر جواب دیا۔

"ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن وہ دونوں تو وفات پا چکے ہیں۔"

"تب پھر آپ کون ہیں؟"

"میں ان کا داماد ہوں، یعنی ان کی چھوٹی بہن کا خاوند!"

"اوہ! پھر تو ہمیں آپ سے اور آپ کی بیوی سے ہی کچھ کام ہے۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"کیا مطلب؟" اس کے حلق سے قدرے بلند آواز نکلی۔

"کیا بات ہے ابا جی... باہر کون ہے؟" اندر سے ایک نوجوان لڑکی کی آواز سنائی دی۔

"یہ میری بیٹی کی آواز ہے، اس کی ماں تو بہت سال ہوئے وفات پا چکی ہے۔"

"اوہ! لیکن وہ لڑکی کہاں ہے۔ جو بیگم خان نے آپ دونوں کے حوالے کی تھی۔"

"کیا!!! اس کے منہ سے خوفزدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں! ہمیں تمام راز معلوم ہے۔" فاروق نے نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"ابھی ابھی آپ نے جس لڑکی کی آواز سنی، یہ وہی لڑکی ہے، میرے ہاں تو کوئی اولاد ہوئی ہی نہیں تھی۔"

"بہت خوب! ہمیں اس لڑکی کی تلاش تھی، کیونکہ یہ لڑکی ایک بڑی جائداد کی مالک بن چکی ہے، اس کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا بات ہے ابا جی!" اس بار لڑکی نے دروازے پر آ کر پوچھا۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا، بیگم خان سے ملتی جلتی شکل کی لڑکی دروازے میں کھڑی انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

نئی بات

"بہت خوب! تو یہ ہیں بیگم خان کی بیٹی!" محمود کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! لیکن ہم نے یہ راز کبھی اسے نہیں بتایا، یہ یہی سمجھتی ہے کہ ہم اس کے ماں باپ ہیں۔" اس نے کہا۔

"ابا جی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بیٹی، ذرا صبر کرو، پوری کہانی تمہیں سناؤں گا۔" اس نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے اور آپ کیا کام کرتے ہیں۔" فرزانہ نے اس کے مکان پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا، مکان جدید طرز کا تھا اور شاید پورے قصبے میں سب سے خوبصورت بھی، لڑکی اور اس کے خالو کے کپڑے بھی صاف ستھرے، قیمتی اور نئے فیشن کے مطابق تھے۔

"میں ایک سائنسی آلات بنانے والی فیکٹری میں ملازم ہوں، میرا نام جبار توفیق ہے۔"

"اور ان کا کیا نام ہے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"فردوس نصیب۔"

"بہت خوب! فردوس صاحبہ ہماری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیں، آپ ایک بڑی جائداد کی مالک بن گئی ہیں۔ بہت جلد آپ کو بیگم خان کے محل میں آنے کی دعوت دی جائے گی، آؤ بھئی چلیں۔" محمود نے بعد والا جملہ فاروق اور فرزانہ سے کہا۔

"ارے ارے! کیا آپ بیٹھیں گے نہیں، کم از کم چائے تو پی کر جائیں۔"

"جی نہیں! بہت بہت شکریہ! ابھی ہمیں بہت کام ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ ان سے رخصت ہوئے اور واپس قصبہ خان کی طرف تانگے میں روانہ ہو گئے۔ پولیس اسٹیشن کے سامنے پہنچ کر انھوں نے تانگا رکوایا۔ یہاں انسپکٹر طغیانی موجود تھا۔

"انسپکٹر صاحب! ہم گھر کے ہر فرد کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتے ہیں، اگر یہ کام آپ کی موجودگی میں کیا جائے تو شاید کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے، میں تیار ہوں۔"

"تو پھر اسی وقت چلیے.... اور ہاں! بیگم خان کی بہن کی تلاش کے سلسلے میں کیا رہا۔"

"میرے ماتحت اس سلسلے میں دوڑ دھوپ کرنے لگے ہوئے ہیں۔"

"وہ واپس آئیں تو انہیں کہیں بھیجنے کی ضرورت نہیں، ہم ان کا گھر تلاش کر چکے ہیں۔"

"اوہ! ارے! ہائیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! اب اٹھ چلیے، راستے میں ہم آپ کو بتائیں گے کہ ہم نے گھر کس طرح تلاش کیا اور کیا کچھ معلوم کر آئے ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

حیرت زدہ سا انسپکٹر ان کے ساتھ ہو لیا۔ محل میں پہنچ کر اس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا:

"قتل کے کیس کے سلسلے میں ہم سب لوگوں کے کمروں کی تلاشی لینا چاہتے ہیں، اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بتا دے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ چند سیکنڈ تک انسپکٹر طغیانی نے انتظار کیا پھر کہنے لگا:

"بہت خوب! تب پھر آپ سب لوگ ڈرائینگ روم میں جمع ہو جائیں۔ اس کے بعد ہم تلاشی شروع کریں گے اور ضرورت ہوئی تو سوالات بھی کیے جائیں گے۔"

اس کے بعد تلاشی شروع ہوئی۔ وہ ایک ایک کمرے کو دیکھتے پھرے۔ سب سے پہلے باقر خاں کے کمرے کی باری آئی۔ اس کے کمرے کی الماریوں میں مختلف قسم کے آلات رکھے نظر آئے۔ ان آلات کے علاوہ کوئی کام کی چیز نظر نہ آئی۔ مایوس ہو کر وہ

باہر نکلے اور ڈاکٹر فاخر کے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں انہیں ڈاکٹری آلات اور ادویات نظر آئیں، ڈاکٹر نے اپنے کمرے کو پورا مطب بنا رکھا تھا اور گاؤں کے لوگ مفت علاج کی غرض سے اس کے پاس اسی کمرے میں آتے تھے۔ دواؤں کی الماریوں کو محمود، فاروق اور فرزانہ نے خاص طور پر غور سے دیکھا، ایک الماری میں انہیں زہر کی شیشی بھی نظر آئی۔

"جس روز بیگم خان کے دودھ میں زہر ملایا گیا، اسی روز اس شیشی پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھانے چاہییں تھے۔" محمود نے انسپکٹر طغیانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے ایسا کرایا تھا، لیکن شیشی پر سے صرف ڈاکٹر صاحب کی انگلیوں کے نشانات ملے تھے، اب ہم انہیں کیسے گرفتار کر لیتے۔ ان کی انگلیوں کے نشانات تو تمام شیشیوں پر ہیں، آخر یہ انہی کی شیشیاں ہیں۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

اس کمرے میں بھی کوئی مطلب کی چیز نہ پا کر وہ باہر نکلے اور شاکر کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"اس گھر میں اگر کسی نے ہم سے اچھا سلوک کیا ہے تو وہ بیگم خان کے بعد شاکر صاحب ہیں۔" فرزانہ نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم انہیں تفتیش میں شامل ہی نہ

کریں اور ان کے کمرے کی تلاشی نہ لیں۔" محمود نے جواب دیا۔

"میں نے یہ کب کہا، بلکہ میرا تو مطلب یہ تھا کہ شاید وہی مجرم ہوں اور اسی وجہ سے انہوں نے ہم سے اچھا سلوک کیا ہو کہ ہم ان پر شک نہ کریں۔"

"ہم ابا جان کے بتائے ہوئے اصول کو کبھی نہیں بھلا سکتے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک کیس کے تمام متعلقہ آدمیوں کو شک کی نظر سے دیکھو، لہٰذا اس گھر کے تمام افراد اس وقت ہماری نظروں میں شک سے بری نہیں ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔"

شاکر کے کمرے میں انہیں سیاہ رنگ کا ایک فوم بھرا ہوا دستانہ ملا۔ اسے دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئے۔ آخر فرزانہ رہ نہ سکی:

"اس دستانے کو پہن کر پتھر آسانی سے پھینکا جا سکتا ہے۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ شاکر نے یہ دستانہ پہن کر وہ پتھر اپنی امی پر اچھالا تھا۔" محمود نے اسے گھورا۔

"میں یہ نہیں کہنا چاہتی، تاہم یہ ناممکن نہیں۔"

"ہاں! ناممکن تو خیر کچھ بھی نہیں، اور پھر دوسرا دستانہ بھی تو یہاں نہیں، آخر ایک ہی کیوں؟"

"اس کے بارے میں ہم شاکر صاحب سے پوچھیں گے۔"

شاکر کے کمرے سے نکل کر وہ فاخرہ کے کمرے میں داخل ہوئے۔

یہاں کئی طرح کی خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ شاید فاخرہ کو خوشبو کا بہت شوق تھا۔ الماریوں میں زرق برق کپڑے بھرے پڑے تھے۔ ایک الماری میں کتابیں بھری پڑی تھیں، دوسری میں کشیدہ کاری کا سامان تھا۔ میز پر ٹیبل لیمپ رکھا تھا۔ بہت دیر تک ان سب چیزوں کا بغور جائزہ لینے کے بعد انہیں ایک کاپی کے پہلے صفحے پر یہ الفاظ لکھے نظر آئے:

"میں اکثر سوچتی ہوں، میں کون ہوں، کس کی بیٹی ہوں، میرے ماں باپ کون تھے، وہ اب کہاں ہیں، کیا وہ مجھے یاد کر کے روتے ہوں گے، میں تو دن رات انہیں یاد کر کے تڑپتی ہوں۔ کاش وہ دن جلد آئے جب میں ان سے ملوں..... یوں اس گھر میں بھی مجھے ماں کا پیار ملا ہے۔ بیگم خان نے کبھی کمی نہیں محسوس ہونے دی۔"

فاخرہ کے کمرے سے نکل کر وہ محل کے پچھلے حصے میں آئے۔ یہاں خادم حسین اور رفیق مرزا کے کمرے تھے۔ خادم حسین کے کمرے میں جوتوں کے دو جوڑوں کے سوا کوئی کام کی چیز نظر نہ آئی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ دیر تک جوتوں کے تلوں کو دیکھتے رہے تو انسپکٹر طغیانی سے نہ رہا گیا:

"کیا ان جوتوں سے کوئی سراغ ملنے کی امید ہے۔"

"جی ہاں! امید تو یہی ہے، ذرا یہ تو سوچیے کہ خادم حسین

جیسے غریب آدمی کو تین جوتوں کی کیا ضرورت؟"

"تین! لیکن یہ تو دو ہیں" انسپکٹر کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! ایک وہ اس وقت پہنے ہوئے بھی تو ہو گا۔"

"اوہ ہاں! ہے تو عجیب بات، لیکن اتنی بھی نہیں کہ ہم یہیں اٹک کر رہ جائیں، بعض لوگوں کو کسی چیز کا شوق ہوتا ہے۔ وہ اسے ضرورت سے زیادہ بھی خرید لیتے ہیں" اس نے کہا۔

"ہاں! یہ تو ٹھیک ہے، اب رہ جاتا ہے، رفیق مرزا کا کمرہ۔"

رفیق مرزا کا کمرہ خادم حسین سے مختلف نہیں تھا، اس میں بھی انہیں کوئی خاص چیز نظر نہ آئی۔ وہ وہاں سے بھی باہر نکلے۔

"تمام کمروں کی تلاشی لی جا چکی لیکن ......" محمود نے کہنا چاہا، لیکن فاروق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"لیکن ایک کمرہ رہ گیا، یعنی جاوید اقبال کا کمرہ.... کیا اسے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں؟"

"اوہ! واقعی ....." ان کے منہ سے چونکنے کے انداز میں نکلا۔

جاوید اختر کو انسپکٹر طغیانی نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملنے کے بعد ہی رہا کر دیا تھا اور وہ واپس آ گیا تھا، لیکن نہ تو وہ خوش تھا اور نہ غمگین، بس یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے اسے رنج اور غم کا کوئی احساس ہی نہیں رہ گیا۔ اس کے کمرے کی تلاشی کے دوران انہیں ایک نوٹ بک نظر آئی۔ اس نوٹ بک کے

ورق الٹتے ہوئے ان کی نظریں ایک صفحے پر جم کر رہ گئیں۔ اس پر لکھا تھا:

"باجی .... میں تمہیں قتل کر دوں گا، یاد رکھو ایک نہ ایک دن میں تمہیں مار ڈالوں گا۔"

"انسپکٹر صاحب! اس نوٹ بک کو اپنے قبضے میں کر لیں" محمود نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

"کیوں! اس میں کیا خاص بات ہے؟"

"اگر یہ جملہ جاوید اقبال صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے تو پھر ضرور قاتل کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، کیونکہ قاتل اپنی بجائے جاوید اقبال کو پھنسوانے کے چکر میں تھا، یہ اور بات ہے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے انہیں بے گناہ قرار دے دیا اور ہاں شاید یہاں جاوید اقبال کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کچھ تحریریں مل جائیں، ہم ان سے اسے ملا کر بھی دیکھ سکتے ہیں۔"

تھوڑی سی تلاش کے بعد انہیں اسی نوٹ بک میں جاوید اقبال کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کئی صفحے مل گئے، لیکن یہ دیکھ کر ان کے جوش میں اضافہ ہو گیا کہ اس جملے میں اور ان تحریروں میں ذرا بھی تعلق نہ تھا، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ جملہ کسی اور نے لکھا تھا۔

"اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جملہ جس کسی نے بھی

لکھا ہے، وہی مجرم ہے۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"تو پھر ہم ان سب کے ہاتھوں کی تحریر لے لیتے ہیں۔" انسپکٹر طغیانی بولا۔

"ہاں! اب سب سے پہلا کام یہی کرنا ہوگا۔"

گھر کے تمام افراد سے اپنے سامنے کچھ جملے لکھوائے گئے اور پھر الگ کمرے میں آ کر ان جملوں کو جاوید اقبال والی نوٹ بک کے جملے سے ملایا گیا، لیکن اس وقت ان کی حیرت اور بڑھ گئی جب انہوں نے دیکھا کہ نوٹ بک والی تحریر ان میں سے کسی سے بھی میلاپ نہیں کھا رہی تھی۔

○

"اگر یہ جملہ ان میں سے کسی نے بھی نہیں لکھا تو پھر کس نے لکھا؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"قاتل نے لکھا ہے، تم اتنا بھی نہیں جانتیں۔" فاروق مسکرایا۔

"تم تو چپ ہی رہو، اس وقت کوئی اِدھر اُدھر کی نہ ہانکنا۔"

"اچھا! نہیں ہانکوں گا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"کہیں ایسا تو نہیں، ان میں سے کسی نے اپنی تحریر بگاڑ کر لکھنے کی کوشش کی ہو۔" اچانک محمود کو خیال آیا۔

"یہ عین ممکن ہے اور اگر ایسا ہے تو پھر تحریروں کا ماہر

فوراً بھانپ لے گا۔" فاروق بولا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، تو پھر آپ اسے لے جائیں اور کسی ماہر سے چیک کرالیں۔"

"بہت بہتر، میں یہ ضرور کروں گا۔"

انسپکٹر طغیانی نوٹ بک لے کر چلا گیا۔ ابھی تک محمود، فاروق اور فرزانہ کسی ٹھوس نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے، انہیں چکر پہ چکر آ رہے تھے۔

"ابا جان کی موجودگی میں کم از کم ہم چکر کھانے سے بچ جاتے ہیں۔" فاروق نے اکتا کر کہا۔

"ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔" محمود بولا۔

"اب اور کیا چیز ہاریں، ہارنے کے لیے ہمارے پاس رکھا ہی کیا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی کچھ ہارنے کی ضرورت ہی کیا ہے، جیتنے کی کوشش کیوں نہ کی جائے۔"

"ہاں! اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ شروع سے آخر تک تمام واقعات پر غور کیا جائے..... واقعات کی کڑیاں آپس میں ملائی جائیں۔"

"اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کمرہ میں بند ہو کر بیٹھ جائیں۔"

"تجویز انتہائی معقول ہے۔"

تینوں کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ اور شروع سے تمام حالات اور واقعات پر غور کرنے لگے۔ کمرے میں موت کی سی خاموشی تھی، تینوں الگ الگ سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پھر اس حالت میں نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ آخر محمود نے سر اوپر اٹھایا اور اس کی آواز کمرے میں گونجی:

"اگر تم دونوں مجھے اجازت دو، تو کچھ عرض کروں۔"

"ضرور کرو، کیونکہ ہمیں خاموش بیٹھے کافی دیر گزر گئی ہے۔"

"تمام حالات پر غور کرنے کے بعد ایک چیز میرے ذہن میں بہت زور شور سے چبھنے لگی ہے، بس یوں سمجھو کہ کھدبد مچا رہی ہے۔"

"یا اللہ رحم، ذرا جلدی بتاؤ، وہ کیا چیز ہے، کہیں تمہارا ذہن بالکل ناکارہ نہ کر دے۔"

"ہم بیگم خان کی بہن کے خاوند جبار توفیق سے مل چکے ہیں، اس کی بیٹی فردوس نصیب سے بھی مل چکے ہیں، اس وقت ہم نے یہ بات تو فوراً محسوس کر لی تھی کہ فردوس نصیب کی شکل صورت بیگم خان سے بہت ملتی جلتی ہے، لیکن ایک بات بالکل نظر انداز کر گئے اور وہ بات مجھے اب یاد آئی ہے۔"

"اور وہ کیا بات ہے۔" دونوں نے بے چین ہو کر ایک ساتھ پوچھا۔

"یہ کہ جبار توفیق کی شکل صورت بھی اس گھر میں موجود ایک آدمی سے ملتی ہے۔"

"کیا!!" دونوں حیرت زدہ لہجے میں بولے۔

ترکیب نمبر دس

چند لمحے تک فاروق اور فرزانہ حیرت میں ڈوبے رہے۔ محمود نے ایک سنسنی خیز خبر سنائی تھی اور یہ بات انہوں نے اس سے پہلے واقعی محسوس نہیں کی تھی۔ اگر محمود خود نہ بتاتا تو شاید وہ کبھی یہ بات نہ سوچ سکتے۔

"میرے خدا! آخر یہ کیس کتنی کروٹیں بدلے گا۔"

"اب تو معاملہ ختم ہونے کے قریب ہے، اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ جبار توفیق کی شکل صورت اس گھر میں موجود کس آدمی سے ملتی ہے تو سارا کیس چٹکیوں میں تمہاری سمجھ میں آ جائے گا، البتہ کچھ باتیں ضرور حل طلب رہ جائیں گی، لیکن دوسروں سے چند سوال کرنے کے بعد وہ بھی صاف ہو سکتی ہیں۔"

"ہمیں یہ بتانے کی ہرگز کوشش نہ کرنا، کیونکہ ہم اپنی عقلوں کو آواز دینا چاہتے ہیں..... اس بات کی تہہ تک ہم خود پہنچیں گے، یہ بتاؤ، اب کیا کرنے کا ارادہ ہے۔"

"مجھے انسپکٹر طغیانی کا انتظار ہے، کیونکہ میں یہ جاننا چاہتا

ہوں کہ جاوید اقبال کی ڈائری پر وہ جملہ کس نے لکھا ہے، اگر یہ معلوم نہ ہو سکا تو پھر میں دوسرے طریقے پہ عمل کروں گا۔"

"ابا جان اور امی جان ہمارا بہت بے چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے، اس کیس میں ہمیں امید سے زیادہ دیر لگ گئی ہے۔"

"حالات اس قدر پیچیدہ تھے کہ انہیں سمجھنے میں دیر لگنا لازمی بات تھی۔ دیکھا جائے تو اکیس سال پہلے اس کیس کی ابتدا ہوئی تھی۔" محمود نے کہا۔

اسی وقت ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ تینوں چونکے۔

"یہ ضرور انسپکٹر صاحب ہوں گے۔ فاروق دروازہ کھول دو۔"

"بہت بہتر! لیکن مہربانی فرما کر ابا جان کی نقل اتارنے کی کوشش نہ کرو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"میں بھی یہی کہنے والی تھی، بہت دیر سے محسوس کر رہی تھی کہ یہ حضرت ابا جان کی ہو بہو نقل اتارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"تم دونوں کا خیال غلط ہے۔" محمود نے جھلا کر کہا اور خود اٹھ کر دروازہ کھول دیا، کیونکہ اسے ڈر محسوس ہوا تھا کہ کہیں بحث طول نہ پکڑ جائے اور دروازہ کھلنے والا مسئلہ درمیان میں نہ رہ جائے۔

دروازے پر انسپکٹر طغیانی کی بجائے رفیق مرزا نظر آیا۔ انہیں

دیکھ کر وہ ایک بار پھر چونکے، فاروق اور فرزانہ کی نظریں تو اس
پر جم کر رہ گئیں۔

"جی فرمائیے۔ خیر تو ہے۔"

"جناب ...... انسپکٹر طغیانی صاحب ...... کا فون آیا ہے، انہوں
نے فون پر پیغام دیا ہے کہ وہ زخمی ہو گئے ہیں اور ہسپتال میں موجود
ہیں، لہذا آپ ان سے وہیں ملاقات کر لیں۔"

"اوہو ..... وہ زخمی کیسے ہو گئے!" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"جی! یہ تو مجھے معلوم نہیں۔" رفیق مرزا بولا۔

"خیر! ہم ان سے مل لیں گے۔" محمود نے کہا اور رفیق مرزا
واپس چلا گیا۔

"یہ نئی ہوئی! اب ہمیں ہسپتال جانا پڑے گا، کیونکہ جاوید
اقبال کی ڈائری انہی کے پاس ہے۔"

"میرا خیال ہے، پہلے ہمیں ان سے مل لینا چاہیے، ڈائری واپس
لینا ضروری ہے، کیونکہ مجرم کے خلاف وہ جملہ ثبوت کے طور پر کام
آئے گا۔" فرزانہ نے مشورہ دیا۔

تینوں اسی وقت ایک تانگے میں بیٹھ کر ہسپتال کی طرف روانہ
ہو گئے۔ انسپکٹر تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ اس کے
سر اور بازوؤں پر پٹیاں بندھی تھیں، انہیں دیکھ کر ایک اداس
سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر آ گئی۔

"یہ کیسے ہو گیا جناب!"

"ڈائری لے کر تحریر کے ماہر کی طرف جا رہا تھا کہ سڑک کے
بیچوں بیچ ایک پتھر پڑا نظر آیا، پتھر کافی بڑا تھا اور اسے
ہٹائے بغیر جیپ نہیں گزر سکتی تھی، چنانچہ یہ سوچتا ہوا نیچے
اترا کہ نہ جانے کس بے وقوف نے پتھر سڑک کے درمیان میں رکھ
دیا ہے، بس عین اسی وقت میرے سر پر کوئی چیز دے ماری گئی،
پھر بازوؤں پر بھی وار کیے گئے، میں بے ہوش ہو گیا، ہوش
آیا تو ہسپتال میں تھا۔ دو نیک دل انسان جیپ سمیت ہسپتال
پہنچا گئے تھے، ڈاکٹر نے یہی بتایا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش
ہو گیا۔

"اور وہ ڈائری۔" محمود نے پوچھا۔

"ڈاکٹر کے ذریعے میں نے جیپ میں سے وہ ڈائری نکلوانے
کی کوشش کی تھی، لیکن پوری جیپ کی تلاشی کے بعد بھی ڈائری
نہیں ملی، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حملہ آور دراصل وہ ڈائری
حاصل کرنا چاہتے تھے۔"

"کیا آپ انہیں دیکھ سکے تھے۔"

"نہیں! میں نے تو ان کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی،
خدا جانے وہ ایک آدمی تھا یا ایک سے زائد تھے۔"

"یہ بہت برا ہوا، کاش آپ ہسپتال کے عملے کے ذریعے

جیب میں ڈائری تلاش نہ کراتے۔" محمود بولا۔

" کیوں! اس سے کیا نقصان ہو گیا؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

" حملہ آور کی انگلیوں کے نشانات مل سکتے تھے۔"

" اوہ! ارے! ہائیں۔" اس حالت میں بھی انسپکٹر طغیانی کے منہ سے نکل گیا اور انہوں نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی۔ دراصل وہ ایک قصبے کا انسپکٹر تھا اور اس قسم کے حالات سے کہاں..... اس کا واسطہ پڑا تھا۔

" خیر کوئی بات نہیں، ڈاکٹر آپ کو کب تک چھٹی دے دیں گے؟"

" ان کا کہنا ہے، کہ ایک ہفتہ تو لگ ہی جائے گا۔"

" اوہ اتنا وقت، خیر! آپ اپنے ماتحتوں کو ہدایت کر دیں کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کریں، کیونکہ ہم شاید آج ہی قاتل کو ان کے حوالے کر دیں گے۔"

" کیا کہا..... قاتل کو ہمارے حوالے کر دیں گے، کیا آپ یہ جان چکے ہیں کہ قاتل کون ہے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

" ہم اندازہ ضرور لگا چکے ہیں، لیکن اس کے خلاف ہمارے پاس ثبوت کوئی نہیں ہے، افسوس، وہ ڈائری ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔"

" پھر اب کیا ہو گا، ثبوت کے بغیر تو صفائی کا وکیل کیس کی دھجیاں اڑا دے گا۔"

" آپ فکر نہ کریں، ہم ثبوت حاصل کرنے کے لیے پوری کوشش کریں گے، اس کے لیے ترکیب نمبر دس استعمال کریں گے۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

" ترکیب نمبر دس..... میں سمجھا نہیں۔"

" بہت جلد آپ کو سب کچھ بتا دیا جائے گا۔"

اور وہ ہسپتال سے نکل آئے۔ تینوں بہت فکر مند تھے۔

" ہمیں سخت احتیاط کی ضرورت ہے، وہ ہم پر بھی حملہ آور ہو سکتا ہے۔"

" کاش وہ ایسا ضرور کرے۔" فرزانہ نے دعا مانگی۔

" کیوں! تم ایسا کیوں چاہتی ہو۔"

" اس لیے کہ ہم اس کے لیے انسپکٹر طغیانی ثابت نہیں ہوں گے۔"

" سوال یہ ہے کہ ثبوت کس طرح حاصل کریں۔" محمود نے کہا۔

" کہہ تو چکا ہوں، ترکیب نمبر دس کے ذریعے۔"

" ہوں! اب یہی کرنا ہو گا۔"

○

رات تاریک اور سرد تھی۔ ان دنوں دن کے وقت خاصی گرمی رہتی تھی، لیکن راتوں کو ٹھنڈ ہو جاتی، محمود، فاروق اور فرزانہ لیے

میں محل کے ایک کمرے کے پاس دبکے ہوئے تھے، وہ مکمل تاریکی میں تھے۔ اچانک انہوں نے قدموں کی ہلکی سی چاپ سنی اور وہ سکڑ گئے، پھر اس کمرے کے دروازے پر کسی نے ہلکی سی دستک دی، دروازہ کھل گیا اور دستک دینے والا اندر داخل ہو گیا، اس کے ساتھ ہی محمود کا ہاتھ حرکت میں آیا اور اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے آلے کے دو بٹن دبائے تھے.... وہ وہاں اس وقت تک رہے جب تک وہ شخص باہر نہ نکل آیا۔ اس کے نکلتے ہی دروازہ بند کر لیا گیا۔ چند لمحے انتظار کرنے کے بعد تینوں ہی اٹھے اور دبے پاؤں چلتے ہوئے اپنے کمرے میں آئے۔ انہوں نے کمرہ اندر سے بند کر لیا اور محمود نے ہاتھ میں دبے ہوئے ننھے سے ٹیپ ریکارڈ کا ایک بٹن دبایا۔ ٹیپ واپس ہونے لگی، جب پوری واپس ہو گئی تو اس نے آن کر کے اسے چلا دیا۔ کمرے میں ہونے والی گفتگو اس پر ٹیپ ہو چکی تھی۔ وہ اسے غور سے سنتے رہے، ان پر جوش کی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ آخر ٹیپ ختم ہو گئی۔

"میرا خیال ہے، ہم مکمل ثبوت حاصل کر چکے ہیں" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! اور ناشتے کے وقت اس کھیل کا آخری سین سنا کر ہم یہاں سے چلتے بنیں گے، آئے تھے ہم بے چاری آنٹی بیگم خان کی مدد کرنے، ان کی مدد تو نہ کر سکے، چلو ان کے قاتل کو گرفتار ہی کرا دیں گے۔ شاید اس طرح ان کی روح خوش ہو جائے"

"بات دراصل یہ ہے کہ بیگم خان کا وقت آ چکا تھا، پھر بھلا ہم انہیں کس طرح بچا سکتے تھے"

"ابا جان تو ان کے کفن دفن کے روز بھی نہیں آ سکے، شاید وہ کسی بہت ہی اہم مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں"

"ہاں! ورنہ وہ یہاں ضرور آتے، کم از کم یہی سوچ کر آ جاتے کہ ہماری کچھ مدد کر سکیں گے"

"ہوں! چلو اب آرام کریں" فاروق نے کہا۔

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتی" فرزانہ بول پڑی۔

"کیسے" دونوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آرام کرنے کو، کم از کم ہم میں سے ایک جاگتا رہے گا، دوسرے دو سوئیں گے، پھر جاگنے والا دو میں سے ایک کو جگا دے گا اور خود سو جائے گا، اس طرح تیسرے کی جاگنے کی باری آ جائے گی"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے"

"مجرم بہت چالاک ہے، ہمیں ہر ممکن احتیاط کرنا ہو گی.... کہیں وہ ہم سے بھی انسپکٹر طغیانی کی طرح کوئی چال نہ چل جائے"

"بات بالکل معقول ہے"

"تو پھر تم دونوں سو جاؤ، سب سے پہلے میں جاگوں گا۔"
محمود نے کہا۔ "بلکہ اس ٹیپ کی حفاظت کے پورے پورے
انتظامات کروں گا۔"

فاروق اور فرزانہ نے بستروں پر لیٹ کر آنکھیں بند
کرلیں اور محمود ٹیپ کے لیے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا
جہاں کسی کے فرشتوں کا بھی خیال نہ جا سکے۔

آخری لمحے

صبح سویرے محمود نے انسپکٹر طغیانی کو فون کیا اور اس سے
درخواست کی کہ اپنے چار پانچ ماتحت محل میں بھیج دے، لیکن
اس نے بتایا کہ اس کی طبیعت بہت اچھی ہے، اس لیے وہ
خود بھی آ رہا ہے۔ یہ سن کر محمود نے اطمینان کی سانس لی۔
بیس منٹ بعد وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا:

"انسپکٹر صاحب! ہم ناشتے کی میز پر مجرم کو آپ کے
حوالے کر کے یہاں سے رخصت ہو جائیں گے، البتہ اس سے
پہلے آپ کو ایک کام کرنا ہوگا۔"

"میں ہر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

محمود نے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر دو نام اور ان کے نیچے
پتا لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا اور بولا:

"ان دونوں کو آپ یہاں لے آئیں، ان سے صرف اتنا کہہ
دینا ہوگا کہ جائداد کی تقسیم کا معاملہ ہے۔ تمام ثبوت ساتھ لے
کر آئیں۔"

"ثبوت ساتھ لے کر آئیں، کیا مطلب؟" انسپکٹر طغیانی چونکا۔

"جی ہاں! دراصل یہ نام بیگم خان کی بہن کے خاوند اور اس بیٹی کے ہیں جسے انہوں نے اپنی بہن کے حوالے کیا تھا۔"

"اوہ! ارے! ہائیں!" اس کے منہ سے نکلا اور پھر کچھ پوچھے بغیر چلا گیا۔

وہ ناشتے کی میز پر پہنچے تو باقی سب لوگ وہاں جمع تھے۔ ان کے چہروں پر فکر اور پریشانی کی وجہ سے زردی سی چھائی ہوئی تھی۔ یہ احساس کافی تکلیف دہ ہوتا ہے کہ ان کے درمیان ایک قاتل موجود ہے۔

"آج ہم بیگم صاحبہ کے قاتل کو قانون کے حوالے کر کے یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں۔" اچانک محمود نے کہا۔ ان کے منہ حیرت اور خوف سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ سب کی نظریں ان پر جم گئیں۔

"ناشتے کے بعد میں آپ کی الجھنیں دور کر سکوں گا، ابھی مجھے دو افراد کا انتظار ہے، جب تک وہ نہیں آ جاتے، اس وقت تک اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" اس نے کہا۔

کسی نے کچھ نہ کہا، خاموشی سے ناشتے میں مصروف ہو گئے۔ رفیق مرزا اور خادم حسین ناشتا کرانے میں مصروف رہے، اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔

"بابا خادم.... ذرا دیکھنا، کون آیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"جی بہتر!" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ انسپکٹر طغیانی، ایک ادھیڑ عمر کے آدمی اور ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"لیجیے حضرات، جن کا مجھے انتظار تھا، وہ آ پہنچے، اب آپ ناشتے سے فارغ ہو لیں تاکہ بات شروع کی جا سکے۔"

میز پر موجود تمام لوگوں نے جلدی جلدی ناشتے پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ آج میز پر جاوید اقبال بھی موجود تھا اور اس کے چہرے سے پاگل پن کے آثار بالکل غائب تھے، یوں لگتا تھا جیسے وہ کبھی پاگل ہوا ہی نہ ہو۔

آخر ناشتا ختم ہوا، خادم حسین اور رفیق مرزا نے جلدی جلدی برتن سمیٹے اور باورچی خانے کا رخ کیا۔

"تم دونوں بھی یہیں موجود رہو گے، کیونکہ تم بھی اس گھر کے ایک فرد ہو اور بیگم خان کی جائیداد میں سے ایک حصے کے تم دونوں بھی حق دار ہو۔" محمود نے ان سے کہا۔

"بہت بہتر! ہم ابھی آتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد سب وہاں موجود تھے۔ محمود اس وقت بالکل انسپکٹر جمشید کی نقل کر رہا تھا۔ فاروق اور فرزانہ بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے، کیونکہ ابھی ابھی سارا معاملہ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا تھا اور یہ عین اس وقت ہوا تھا جب توفیق اور فردوس نصیب وہاں

آئے تھے۔ اچانک محمود کی کھنک دار آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

" یہ کہانی آج سے اکیس سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ بعض اوقات انسان ایسی غلطی کر بیٹھتا ہے کہ اسے ساری عمر پچھتانا پڑتا ہے۔ ایسی ایک غلطی بیگم صاحبہ سے بھی ہوئی۔ ان کا خاوند فوت ہو گیا تھا، اس وقت ان کے ایک بچی تھی، اتفاق سے انہیں یہ معلوم ہوا کہ قصبہ خان کے خان وجاہت خان شادی کرنا چاہتے ہیں اور رشتے کی تلاش میں ہیں، لیکن ساتھ ہی انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ خان وجاہت کسی غیر شادی شدہ لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے یہ کیا کہ اپنی بیٹی کو اپنی بہن کے حوالے کیا اور خود بے پناہ دولت کی خاطر خان وجاہت سے شادی کر لی۔ یہاں ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ محل میں آنے کے بعد ایک دن چوری چھپے وہ اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے گئیں تو انہیں پتا چلا، ان کی بہن اور بہن کا خاوند قصبہ چھوڑ کر چلا گیا ہے، وہ دل تھام کر رہ گئیں، انہوں نے اس محل کو ہی اپنی دنیا سمجھ لیا اور پھر مرتے دم تک اس محل سے نہ نکلیں، البتہ بیٹی کی یاد میں روتی رہیں تڑپتی رہیں۔ اسی دوران ایک شخص ایک لاوارث بچی کو ان کے حوالے کر گیا اور انہوں نے یہ سوچ کر اسے پالنا منظور کر لیا کہ شاید قدرت نے انہیں یہ بچی ان کی بیٹی کے بدلے میں دی ہے، فاخرہ صاحبہ اس گھر میں

پلنے لگیں، لیکن انہیں پھر بھی چین نہ آیا، بیٹی اسی شدت سے یاد آتی رہی، پھر خان وجاہت کا انتقال ہو گیا۔ بچے بڑے ہو گئے تھے، چنانچہ انہوں نے وکیل کو بلا کر اپنی وصیت لکھوا دی۔ وصیت لکھوانے کے موقعے پر اگرچہ کوئی ان کے پاس موجود نہیں تھا، لیکن گھر میں ایک شخص ایسا موجود تھا، جس نے وصیت کا ایک ایک لفظ دروازے سے کان لگا کر سنا۔۔۔ اور یہیں سے ان کے قتل کا منصوبہ بنا، پہلا وار زہر سے کیا گیا، تاکہ ڈاکٹر صاحب پر شبہ کیا جائے، لیکن بیگم صاحبہ اس وار سے بچ گئیں، دوسرا حملہ ایک آلے سے کیا گیا، یہ آلہ انجنیئر صاحب کے کمرے سے اڑایا گیا، اسی طرح زہر ڈاکٹر صاحب کے کمرے سے چرایا گیا تھا، دوسرا حملہ بھی ناکام گیا، تیسری مرتبہ ایک پتھر سے حملہ کیا گیا، شاکر صاحب ٹھیکیدار ہیں، ظاہر ہے شک ان پر جاتا، لیکن وہ اس بار بھی بچ گئیں۔ چوتھی مرتبہ بم پھینکا گیا، یہ بم شاکر صاحب کے کمرے سے اڑایا گیا، اس قسم کے بموں سے یہ سڑکوں وغیرہ کو اڑاتے ہوں گے، یہ حملہ بھی ناکام گیا۔ دروازہ توڑ کر گھر کے افراد اندر داخل ہوئے تو ان میں سے کسی کی جیب سے سونے کا ایک لاکٹ گر گیا اور اس لاکٹ سے ایک نئی کہانی شروع ہوئی۔ وصیت میں اس کا بھی ذکر تھا، لیکن یہ لاکٹ تو بیگم صاحبہ نے اپنی پہلی بچی کو دیا تھا، پھر بھلا وہ اس گھر میں کہاں سے

آگیا، یہ عجیب بات تھی۔ ہم نے دیکھا، لاکٹ پر نظر پڑتے ہی
بیگم صاحبہ کے چہرے پر حیرت کے آثار طاری ہو گئے تھے، جب
ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یہی کہا کہ وہ لاکٹ
کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں، لیکن جب ہم علیحدگی میں ان سے
جا کر ملے تو انہوں نے کہا کہ وہ اس لاکٹ کو اچھی طرح جانتی ہیں،
وہ لاکٹ کی کہانی سنانے لگیں، یہ کہانی اکیس سال پہلے کی کہانی تھی،
لیکن عین اسی وقت رفیق مرزا نے آ کر دروازے پر دستک دی اور
بتایا کہ انہوں نے شمالی کمرے کی کھڑکی سے کسی کو فرار ہوتے دیکھا
ہے، ہم فوراً وہاں گئے، کمرے کے فرش پر قدموں کے نشانات
موجود تھے، یہ نشانات دو طرح کے تھے، ان میں سے ایک رفیق مرزا
کے تھے۔ دوسرے جوتے کے جو نشانات تھے، وہ کھڑکی سے آتے
ہوئے بھی تھے اور جاتے ہوئے بھی، لیکن جب ہم نے نیچے اتر کر
دیکھا تو نشانات صرف جاتے ہوئے موجود تھے، آتے ہوئے نشانات
نظر نہیں آئے۔ حالانکہ اگر گھر میں سے کوئی فرار ہوا تھا، تو پہلے آیا
ہوگا، تبھی فرار ہوا ہوگا، یہ بھی بہت عجیب بات تھی۔ رات
کے وقت ہم نے ایک سائے کو شمالی کمرے کی طرف جاتے دیکھا،
وہ کھڑکی پھلانگ کر جنگل کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ہم نے اس
کا تعاقب کیا، ہم اس سے کچھ ہی فاصلے پر تھے کہ جنگل میں
سے ایک اور سایہ نکل کر اس کے سامنے آگیا، دونوں کھڑے ہو کر

باتیں کرنے لگے، اس وقت فاروق کے منہ سے کوئی بات ذرا اونچی
سرگوشی میں نکل گئی، سرگوشی ان تک پہنچ گئی اور وہ دونوں درختوں
میں گھس گئے، ہم نے جنگل میں داخل ہونا مناسب نہ سمجھا اور واپس
لوٹ آئے، لیکن صبح تک وہ سایہ واپس نہ آیا جسے ہم نے جاتے
دیکھا تھا، صبح گھر میں کوئی بھی کم نہ تھا، اس سے ہم نے یہ مطلب
نکالا کہ وہ پہلے ہی باہر سے آیا ہوا تھا، اس سے پہلے بھی رفیق
مرزا کسی کو گھر سے فرار ہوتے دیکھ چکے تھے، یہ تمام واقعات
اس بات کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ مجرم گھر کا کوئی آدمی نہیں
بلکہ باہر کا آدمی ہے، لیکن الجھن یہ تھی کہ ہماری موجودگی میں گھر کے
اندر بم پھینکا گیا، اب یہ کام تو گھر کا کوئی آدمی ہی کر سکتا ہے۔
باہر کے آدمی کو تو اس قدر فوری موقع نہیں مل سکتا۔ یہی الجھنیں
تھیں جنہوں نے ہمیں گھیرے رکھا اور کسی نتیجے پر پہنچنے دیا، آخر
ہم نے تمام کمروں کی تلاشی کا پروگرام بنایا۔ مسٹر شاکر کے کمرے
سے ہمیں ایک بڑا سا فوم والا دستانہ ملا، پتھر پھینکنے کے لیے
یہ دستانہ بہت کام کی چیز ہے......

ان الفاظ کے ساتھ ہی شاکر کا رنگ اڑ گیا، اس کی آنکھوں
میں خوف سمٹ آیا، اس نے چیخ کر کہا۔

"کیا آپ لوگ مجھے قاتل ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں....
لیکن بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ دستانہ میرا نہیں ہے، بلکہ

میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آیا اور میرے کمرے میں
اسے کس نے رکھا۔ میں تو خود اس کے بارے میں الجھن میں تھا۔"

"آپ کو یہ ذکر تو کرنا چاہیے تھا کہ آپ کے کمرے میں ایک
دستانہ پایا گیا ہے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"مم..... میں نے ڈر کی وجہ سے نہیں بتایا تھا۔"

"خیر سنتے جائیے! ہاں تو خادم حسین کے کمرے میں ہمیں
جوتے کے دو جوڑے ملے، ان میں سے ایک جوتا وہی تھا
جس کے نشانات شمالی کمرے میں اور اس کے باہر کھڑکی کے
نیچے ملے۔"

"نہیں!!" خادم حسین زور سے اچھلا۔

"آپ ان جوتوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" محمود نے سوال کیا۔

"یہی کہ وہ میرے نہیں ہیں، میرے کمرے میں کسی نے رکھ
دیے ہیں..... میں بھی ان کی وجہ سے خوف زدہ تھا۔"

"اور آپ نے بھی ڈر کی وجہ سے ان کے بارے میں کسی کو
نہیں بتایا۔ خیر..... اس کے بعد ہمیں مسٹر جاوید اقبال کے کمرے
میں ایک نوٹ بک ملی، اس کے پہلے صفحے پر یہ الفاظ لکھے تھے
"..... باجی! میں تمہیں قتل کر دوں گا، میں تمہیں مار ڈالوں گا"
لیکن یہ الفاظ جاوید اقبال صاحب کی تحریر میں نہیں تھے۔ تحریر کی
جانچ پڑتال کرانے کے لیے ہم نے ڈائری انسپکٹر صاحب کو دے

دی، لیکن ان پر حملہ کیا گیا اور وہ ڈائری اڑا لی گئی۔ اس کا
مطلب ہے، وہ الفاظ مجرم نے اس نوٹ بک پر لکھ دیے تھے،
تاکہ جاوید اقبال اس جملے کو رٹ لیں اور پاگل پن کے دورے
کے دوران اسے دہراتے رہیں، اس طرح سب کو یہ سمجھنے میں
دیر نہ لگے گی کہ قتل انہوں نے کیا ہے، دوسرے یہ کہ قتل کی
واردات کرنے کے بعد قاتل نے ان کی زنجیر بھی قالین پر
ڈال دی..... اور رسی کا پھندا بنا کر ان کے کمرے میں ان کے
سرہانے رکھ دیا، تاکہ یہ خیال کیا جائے کہ انہوں نے یہ کام
پھندے کے ذریعے کیا ہے، لیکن ادھر ان کی نظر پھندے
پر پڑی تو وہ جملہ ان کے ذہن میں گونج اٹھا اور وہ سچ مچ
اسے اپنی بہن کے گلے میں ڈال آئے، لیکن جب پوسٹ مارٹم
کی رپورٹ آئی تو ان کی بے گناہی ثابت ہو گئی۔ مسٹر شاکر
کی مدد سے ہم نے بیگم صاحبہ کے پرانے کاغذات تلاش
کر لیے تھے اور اس میں ان کی یہ کہانی پڑھ لی تھی کہ
کس طرح انہوں نے اپنی بیٹی کو اپنی بہن کے حوالے کر دیا
تھا، چنانچہ ہم نے ان کی بہن کو تلاش کیا، اور بیگم صاحبہ کے
ماں باپ کے گھر تک پہنچ گئے، اتفاق کی بات کہ بیگم صاحبہ
کے ماں باپ کے گھر میں ان کی بہن کے خاوند سے ملاقات
ہو گئی، کیونکہ بیگم صاحبہ کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا

اور شاید وہ اپنا گھر اپنی چھوٹی بیٹی کو دے گئے تھے،
لیکن چھوٹی بہن کا بھی بہت دنوں پہلے انتقال ہو گیا تھا،
لہٰذا اس وقت آپ لوگوں کے سامنے جبار توفیق اور فردوس
نصیب صاحبہ موجود ہیں، یہ آپ کی خالہ کے خاوند ہیں اور
فردوس نصیب صاحبہ آپ کی بڑی بہن ہیں، اس کے لیے آپ
کی والدہ مدتوں تڑپتی رہیں۔ اب یہ وصیت کے مطابق جائداد کی
حق دار ہیں۔" یہ کہہ کر محمود خاموش ہو گیا۔

"یہ کیا بات ہوئی، آپ نے اب تک یہ تو بتایا ہی نہیں
کہ قاتل کون ہے۔" فاخر نے برا سا منہ بنایا۔

"کیا آپ لوگ ابھی تک نہیں سمجھے کہ قاتل کون ہے....
خیر میں بتاتا ہوں، آپ لوگ تو جبار توفیق کو دیکھ چکے ہیں،
اب ذرا غور فرمائیں کہ اس گھر میں موجود تمام افراد میں سے
کسی کی شکل صورت ان سے ملتی ہے۔"

"کیا مطلب!!" کئی آوازیں ابھریں۔

"ذرا غور سے دیکھیں، ان کی صورت شکل رفیق مرزا سے
بہت ملتی جلتی ہے، کیا یہ صرف ایک اتفاق ہے، لیکن
یہ اتفاق اس صورت میں ہو ہی نہیں سکتا جب راتوں کو
رفیق مرزا سے ملاقات کرنے جبار توفیق آتے ہوں۔"

"اوہ! ارے! ہائیں۔" انسپکٹر طلیانی کے منہ سے لرزتی

ہوئی آواز میں نکلا۔

"یا خدا.... یہ سب کیا ہے!" کئی آوازیں ایک ساتھ گونجیں۔

"میں یہی اندازہ لگا سکا ہوں کہ یہ دونوں بھائی ہیں،
جبار توفیق نے بیگم خاں کی بیٹی کو خوشی سے قبول نہیں کیا تھا،
لیکن شاید انہی دنوں اس کی ملاقات اپنے بھائی رفیق مرزا سے
ہوئی، یہ مجرمانہ ذہن کا آدمی تھا، اس نے اسے بتایا، یہ لڑکی
تو سونے کی چڑیا ثابت ہو سکتی ہے، بس اسی روز سے جبار
توفیق، رفیق مرزا کے مشورے پر قصبہ چھوڑ گیا۔ جب اس کی بیوی
فوت ہو گئی تو واپس قصبے میں آ گیا اور ساس اور سسر کے
فوت ہونے کے بعد انہی کے مکان میں رہنے لگا، ادھر رفیق
مرزا منصوبہ بناتا رہا، منصوبے کے مطابق وہ محل میں ملازم ہو
گیا۔ یہاں کے چپے چپے سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا
کہ ملازم ہو جائے۔ دوسری طرف اس کا بھائی ایک سائنس لیبارٹری
میں ملازم تھا، وہ اسے سائنسی آلات وغیرہ کے بارے میں بتاتا
رہا۔ پھر جونہی لڑکی اس عمر کو پہنچی کہ اسے جائداد میں سے
حصہ مل سکے، انہوں نے بیگم خان کو ہلاک کرنے کے پروگرام
پر عمل شروع کر دیا۔ ان کا پروگرام دراصل یہ تھا کہ قتل کے
بعد جب جائداد تقسیم ہو گی تو تمام ثبوت لے کر وکیل کے پاس
پہنچ جائیں گے اور لڑکی کا حصہ وصول کر لیں گے، لڑکی چونکہ

ساری عمر ان کے ساتھ رہی ہے، لہٰذا ساتھ ہی رہنے کی ضد
کرے گی، اس لیے اس کی دولت ان کے قبضے میں آ جائے گی،
تو یہ تھا کل منصوبہ۔" محمود خاموش ہو گیا، کمرے میں گہرا سناٹا
طاری ہو گیا۔ ہر کسی کا دل دھک دھک کر رہا تھا، پھر اس
سناٹے میں رفیق مرزا کی آواز گونجی۔

"تمام الزامات بے بنیاد ہیں..... میں ایک غریب ملازم کے
سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے، میری شکل ان صاحب
سے ملتی ہو، لیکن میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں اور نہ میں نے
انہیں آج سے پہلے کبھی دیکھا ہے۔"

"بہت خوب! مجھے امید تھی، تم یہ ضرور کہو گے، لیکن
مصیبت یہ ہے کہ جبار توفیق کل رات بھی تم سے ملنے آیا
تھا اور تم دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی، وہ ہم نے
ٹیپ کر لی ہے، وہ گفتگو میں اس وقت بھی سنا سکتا ہوں
اور عدالت میں وہ تمہارے خلاف بہترین ثبوت ہو گا۔"

رفیق مرزا اور جبار توفیق کے چہرے زرد پڑ گئے۔ محمود
نے ٹیپ ریکارڈ نکال کر اس کا بٹن آن کر دیا۔ رفیق مرزا
کی آواز صاف سنائی دی:

"تمہیں اب یہاں نہیں آنا چاہیے تھا، اب جب تک جائداد
کی تقسیم کا وقت نہیں آ جاتا، اس وقت تک تمہیں اور فردوس کو گھر

ے نہیں نکلنا چاہیے۔"

"بات یہ ہے کہ فردوس دراصل....." جبار توفیق کی آواز سنائی دی۔

"میں سب جانتا ہوں، تم اپنے ہونٹ بند رکھو۔" رفیق مرزا کی
واز آئی۔

"لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے کہ تین بچے تلاش کرتے ہوئے ہمارے
ھر تک پہنچ چکے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں، وہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں، تم فکر نہ کرو، میں
ب دیکھ لوں گا۔"

"اچھا! تو پھر میں چلتا ہوں۔"

آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ اس کے بعد خالی ٹیپ چلتی رہی،
محمود نے بٹن آف کر دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ رفیق مرزا اور جبار توفیق دونوں مجرم
ہیں۔" انسپکٹر طغیانی بولا۔

"جی ہاں! آپ انہیں بڑی خوشی سے گرفتار کر سکتے ہیں، ثبوت
پ کے پاس ٹیپ شدہ موجود بھی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، اس گھر کے افراد میں جہاں ایک آدمی کی کمی
ہوئی تھی، وہاں ایک آدمی کا اضافہ ہو گیا ہے، یعنی فردوس نصیب
ب ہمارے ساتھ رہیں گی۔" فاخرہ نے خوش ہو کر کہا۔

"بالکل، ہمارے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے

کر ہماری بچھڑی ہوئی بہن اب ہمارے ساتھ رہیں گی" فاخر نے مسرت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"ہم سب اپنی بہن کو خوش آمدید کہتے ہیں" باقر بولا۔

"کاش یہ بچپن سے ہمارے ساتھ رہی ہوتیں" شاکر نے کہا۔

"لیکن مجھے بے حد افسوس ہے، یہ آپ کی وہ بہن نہیں، جو آپ سمجھ رہے ہیں، یہ دراصل آپ کی خالہ کی ہی بیٹی ہیں" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب!!!" وہ ایک ساتھ بولے۔

"مطلب یہ کہ یہ بیگم صاحبہ کی وہ بیٹی نہیں، جو انہوں نے اپنی بہن کے حوالے کی تھی، بلکہ یہ تو ان کی اپنی بیٹی ہیں" اس نے جواب دیا۔

"اوہ! تو پھر ہماری وہ بہن کہاں گئی" فاخر نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، فردوس نصیب وہ نہیں ہیں، تاہم اگر یہ اپنے دائیں کندھے پر ابھرے ہوئے تل کا نشان دکھا دیں تو ہم انہیں بیگم صاحبہ کی بیٹی تسلیم کرلیں گے۔"

"ابھرا ہوا تل.... دائیں کندھے پر" فاخرہ کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں! بیگم صاحبہ کے کاغذات کی رو سے ان کی بیٹی کے

دائیں کندھے پر ابھرا ہوا تل تھا"

"اف خدا! ایسا تل تو میرے کندھے پر موجود ہے" فاروق نے چلا کر کہا۔

"کیا!!!" اس مرتبہ خود محمود بھی چلا اٹھا تھا اور دوسروں کی حیرت کا تو پوچھنا کیا۔

"میں سچ کہتی ہوں..... یہ دیکھیے" اس نے کندھے پر سے قمیص ہٹا کر دکھا دی۔

"تت..... تو..... تو کیا..... فاخرہ ہی ہماری بہن ہے..... اور ہماری امی اس کے لیے تڑپتی رہی.... اف خدا.... یہ کتنا اندھیر ہے، بیٹی ماں کی آنکھوں کے سامنے رہی اور پھر بھی وہ اس کے لیے تڑپتی رہی" فاخر کے منہ سے حسرت زدہ انداز میں نکلا۔

اس حیرت زدہ انکشاف پر سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ پھر تینوں بھائی بے اختیار ہو کر لپٹے اور فاخرہ سے لپٹ گئے، فردوس نصیب کا چہرہ لٹک گیا۔

"انسپکٹر صاحب! میرا خیال ہے کہ جبار توفیق کی بیٹی بھی اس جرم میں برابر کی شریک ہے، لہذا آپ انہیں بھی حراست میں لے لیں، یہ دیکھنا عدالت کا کام ہے کہ ان کا کتنا حصہ ہے"

"ہاں! مجھے اپنے باپ کے اور تایا کے اس منصوبے کا علم

تھا، میں برابر کی مجرم ہوں، مجھے خوشی ہے کہ یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنے باپ اور تائے کی بار بار مخالفت کی تھی مگر جب یہ نہ مانے تو میں بھی مجبور ہو گئی اور ان کا ساتھ دینے لگی، میں اپنے حصے کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔"

اسی وقت کمرے کا دروازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا اور چند کانسٹیبل اندر داخل ہوئے۔ ان کانسٹیبلوں کو محمود نے جبار توفیق کے گھر کی تلاشی لینے کے لیے بھیجا تھا۔

"جناب! ان کے گھر سے یہ ڈائری مل گئی ہے۔"

"بہت خوب! ثبوت اور مضبوط ہو گیا ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

اچانک انہوں نے ایک زور دار قہقہے کی آواز سنی:

"ہا ہا ہا..... میں نے اپنی باجی کو قتل کر دیا، آخر میں نے انہیں ٹھکانے لگا دیا۔ اور تم لوگ انہیں قاتل سمجھ رہے ہو، کتنے بے وقوف ہو تم۔"

جاوید اقبال کا چہرہ دروازے میں دکھائی دیا اور پھر غائب ہو گیا۔

"میرا خیال ہے، آپ انہیں کسی ماہر نفسیات کو دکھائیں، ان کے ذہن میں کچھ گتھیاں پیدا ہو گئی ہیں، وہ انہیں ضرور سلجھا دے گا۔"

"بہت بہتر! ہم ضرور ایسا کریں گے۔"

"اور اب ہم چلیں گے، ہمارے والد صاحب نے اس امید پر ہمیں یہاں بھیجا تھا کہ ہم ایک دن میں معاملہ سلجھا کر واپس گھر پہنچ جائیں گے، لیکن معاملہ سلجھنے کی بجائے الجھتا چلا گیا، بلکہ الجھتا کیا چلا گیا، ہم جو سلجھانے آئے تھے، اس میں الجھتے چلے گئے..... الجھنے اور سلجھنے کا یہ چکر بھی عجیب ہے، خدا اس چکر سے سب کو محفوظ رکھے۔" فاروق کہتا چلا گیا اور سب کے چہروں پر مسکراہٹیں گہری ہوتی چلی گئیں۔